دائرۃ المعارف

یعنی

معارف، اعظم گڈھ،

کی

سولھویں جلد

از

جولائی ۱۹۲۵ء تا دسمبر ۱۹۲۵ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف، دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد شانزدہم جولائی سنہ ۱۹۲۵ء، دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

بہ ترتیب حروف تہجی

فہرست مضامین

جلد شانزدہم جولائی سنہ ۱۹۲۵ء - دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

مجلد شانزدہم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۵ء	عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آج سے معارف کی سولہوین جلد کا آغاز ہے، اور اسکی عمر کا دسوان سال شروع ہوتا ہے، ہندوستان مین جہان ہر نئے سال پر سالے پیدا ہوتے ہین، اور ختم سال پر مرجاتے ہین، معارف جیسے خشک اور بے مزہ رسالہ کی اتنی زندگی بھی بجائے خود داد طلب ہے، بعض معاصرین نے تصریحًا یا کنایۃً معارف کی اس مستقل زندگی کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ بعض ریاستون کی امداد کے سہارے زندہ ہے، لیکن ہم یہ باعلان کہنا چاہتے ہین کہ ریاستون سے جو امداد ملتی ہین وہ دار المصنفین اور سیرت کو ملتی ہین، معارف سے اونکا کوئی تعلق نہین، دار المصنفین کا ہر صیغہ کا آمد و صرف علیحدہ ہے، معارف بحمد اللہ کہ اپنے پاؤن پر آپ کھڑا ہے، اور تمام مصارف کا وہ خود ذمہ دار ہے، یہانتک کہ مضامین کا معاوضہ بھی خود ادا کرتا ہے، اور ہم کو یہ کہنے مین بھی تامل نہین کہ ادھر چند برسون سے اس کا ہر سال خریدارونکی تعداد کے لحاظ سے دوسرے سال سے زیادہ ہمت افزا ہوتا ہے، والحمد للہ علی ذلک،

آریون نے اپنی قوم مین جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے ایک نیا سامان یہ فراہم کیا ہے، کہ ہندؤن کی گذشتہ تاریخ مین جن ہندو راجاؤن نے مسلمان بادشاہون کے مقابلہ مین زیادہ شجاعانہ کارنامے دکھائے ہین، اور زیادہ جوش سے مسلمانون سے لڑے ہین، ان کا جشن منایا جائے، اُن کے اخبارات ہر سال اونکی ولادت کی تاریخ مین اونکے نام کے خاص نمبر نکالین، اون کے اوصاف اور محامد ولولہ انگیز تقریرون مین بیان کئے جائین، اس طرح قوم مین مسلمانون کے خلاف لڑنے اور مارنے کے جذبات بھڑکائے جائین،

اس کے ردِ عمل کے طور پر یقینًا بعض عام مسلمانون مین یہ انتقامی خواہش پیدا ہوتی ہوگی کہ وہ بھی اون مسلمان بادشاہون کا جشن منائین، سالانہ عرس کرین، اونکے فضائل اور مناقب کا ترانہ گائین، اور ان کو ہر طرح معصوم ٹھہرائین جنھون نے ہندؤن کے مقابلہ مین فتح و کامیابی حاصل کی ہو، اونکو تہ تیغ کیا ہو، اونکو قتل و غارت کیا ہو، تاکہ مسلمانون مین ہندؤن کے مقابلہ مین جوش اور ہمت پیدا ہو، لیکن اس باہمی مقابلہ مین دونون قومین ایک دوسرے کے مردہ دشمنون کو پیار کرنے کے لیے اسطرح بیتاب ہین کہ وہ یہ بھول گئی ہین کہ آج دونون کا کوئی تیسرا زندہ دشمن بھی موجود ہے یا نہین؟

مسلمان ہندؤن کو توڑ دینا چاہتے ہین، ہندو مسلمانون کو چور چور کر دینا چاہتے ہین، مگر یہ کوئی نہین دیکھتا کہ "جس خاکی کشتی" پر جس کا نام ہندوستان ہے دونون سوار ہین، اوسکے تختون مین اندر اندر سوراخ کون کر رہا ہے، اس جنگ مین خواہ مسلمان جیتین یا ہندو، مگر بہرحال اوس جیت سے ہندوستانی کی جیت نہین ہو سکتی، ہندو اگر ہندوستان کی آنکھین ہین تو مسلمان دل ہین چشم و دل کی اس باہمی جنگ آزمائی کو دیکھکر جن مین سے ہر ایک اس خرابی کا الزام دوسرے پر تھوپنے کی فکر مین ہے ہندوستان "درد" کے لہجہ مین گویا ہے،

دل یہ کہے کہ آنکھون نے ہم کو کیا خراب　　آنکھین کہین کہ دل ہی نے ہم کو ڈبا دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہین اے درد عشق مین　　دونون کی ضد نے ہم کو بلا مین پھنسا دیا

عید اضحیٰ کا موقع دونون قومون کی نزاع باہمی کا موسم بہار ہے، دلی مین رسم ہے کہ قربانی کی گایون کو ہار پھول پہنا کر مذبح ایک خاص راستہ سے جلوس کے ساتھ لے جاتے ہین، جہان کہتے ہین کہ ہندؤنکی آبادی زیادہ ہے، ہندو کوشان ہین کہ اس راستہ سے گایون کا یہ جلوس نہ گذرے، اور مسلمان

مصر مین، اگر چونکہ یہ ان کا قدیم راستہ ہے، اسلئے کسی کو اون کے روکنے کا حق نہین، گذشتہ سال اسی موقعہ پر ایک خونین ہنگامہ کی روداد گذر چکی ہے، آہمسا (ترک تشدد) پر اعتقاد رکھنے والے ہندو بھائیون کو ہم کچھ نہین کہہ سکتے، لیکن مذہب پر جان دینے والے مسلمانون سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہین کہ کیا جانورون کو اس طرح ہار پھول پہنا کر اور آراستہ کرکے قربانی کے لئے لے جانا اونکی شریعت اور مذہب مین جائز ہے، شہر کے علماء سے پوچھو کہ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا اس طرح کرنا بت پرستانہ رسوم کی تقلید تو نہین ہے؟ بہ خیال دشمن "مشرک ہندؤن" کی بھینٹ کی نقل تو نہین ہے؟

"بھینٹ" اور "قربانی" مین بڑا فرق ہے، خدا قربانی کے متعلق فرماتا ہے:۔

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم (حج)

خدا کو قربانی کے ان جانورون کا گوشت اور خون نہین پہنچے گا، لیکن تمھاری پرہیزگاری اس تک پہنچیگی،

مشرکین کا خیال تھا اور ہے کہ اس بھینٹ کا خون دیوتاؤن کو بھاتا ہے اور لطف دیتا ہے، لیکن مسلمانون کے خدانے اسکو صرف قربانی کرنے والون کی پاکی، پرہیزگاری اور تقوی کا ذریعہ بنایا ہے،

ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (حج)

اور تاکہ ان خاص دنون مین خدا کا نام اس شکریہ مین لین کہ اس نے ان کو پلے جانورون کی روزی دی تو اس مین سے خود کھاؤ اور بھوکے غریبون کو کھلاؤ

تو اس رسم دینی کے ادا کرنے مین ہم کو جس چیز کا سب سے پہلے خیال کرنا چاہئیے وہ نیکی پرہیزگاری شکرگذاری اور غریبون کی اعانت ہے،

مسلمانون کی واحد تعلیمی درسگاہ (مدرسۃ العلوم علی گڈھ) کی پنجاہ سالہ عمر کی خوشی مین جشن پنجاہ سالہ

منائے جانے کا آیندہ دسمبر مین اعلان ہوا ہے، یہ رسم بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منائی جائیگی اور اسی کے ساتھ قوم کی پچاس سال کے تعلیمی، سیاسی، اقتصادی جدوجہد پر بھی تبصرہ کیا جائے گا، ارکان علی گڈھ کو تعلیمی اور وہ بھی انگریزی تعلیم کے تبصرہ کا تو پورا حق ہے، مگر سیاسی اور اقتصادی تبصرہ شاید ان کے لئے موزون نہ ہو، کہ اس کے لیے انھون نے کبھی کچھ نہین کیا ہے، تو جو سبق قوم کو انھون نے پڑھائے نہین انکے امتحان کا اونکو کیا حق ہے!

مناسب ہے کہ اسی کے ساتھ کالج کے ان شاندار قومی علمی تعلیمی، سیاسی، اقتصادی خدمات پر بھی تبصرہ کیا جائے جو پچاس سال مین اون "سپوت فرزندون" نے انجام دئیے ہین، سپوت فرزندون سے ہماری مراد وہ ناسعادتمند اور سرکش اولادین نہین ہین، جو علی گڈھ کی حکومت سے باغی ہوگئے ہین، ورنہ اگر اونکے خدمات بھی شامل کرلیے جائین، تو ان کے تسلیم کرلینے مین کسکو تامل ہوگا، لیکن ایک طرف اونکے خدمات کو اپنے مفاخر مین داخل کرنا، اور دوسری طرف اونکو سیہ کار اور گم کردہ راہ کہنا آئین انصاف نہ ہوگا، اگر اس موقع پر جب مسلمانون کی آل پارٹیز کانفرنس ہورہی ہے، تو علی گڈھ جوبلی کے وقت فرزندان کالج کی بھی "آل پارٹیز کانفرنس" منعقد ہو، اور سب ملکر ہماری تعلیمی گتھیون کو سلجھانے مین متفق و متحد نظر آئین،

علی گڈھ تحریک کی جو اصلی وقت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اہل حل و عقد ایک ساتھ تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی، اور ہر قسم کی کوششون کا اپنی چہار دیواری کے دائرہ کو مرکز بنانا چاہتے ہین، اور یہ متضاد عناصر کبھی یکجا نہین ہوسکتے، اگر ارباب علی گڈھ صرف تعلیمی تحریک کو اپنا مخصوص مرکز عمل قرار دے لین، اور جہانگیری کا خواب نہ دیکھین، تو ان کے حق مین اور مسلمانون کے حق مین بھی یہ مفید اور نفع بخش ہو،

اور مختلف عناصر کے تصادم کا خطرہ بھی جاتا رہے،

ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے شاہانہ موقعون پر بڑی بڑی اہم تبدیلیان جو عام حالات مین ناجائز سمجھی جاتی ہین، وہ باعلان کردی جاتی ہین، تقسیم بنگال جیسی "طے شدہ حقیقت" کی ترمیم کے لئے دہلی کا شاہانہ دربار کا موقع مناسب سمجھا گیا، اور بلا پس وپیش اوسکی تنسیخ کردیگئی، آج سے پچاس سال پہلے جو تعلیمی نصب العین اور طریقہ کار علی گڈہ مین قرار دیا گیا تھا، اگر آج پچاس برس کے بعد حالات کے تغیر سے "ہماری طے شدہ تعلیمی پالیسی" مین ترمیم وتنسیخ کی ضرورت ہے تو اس کے اعلان کا یہ پنجاہ سالہ جوبلی بہترین موقع ہے،

ہم نے بار بار لکھا ہے اور پھر لکھتے ہین کہ اس فرقہ مین بہترین شخصیت صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی ہے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ صاحبزادہ صاحب کے خیالات مین بہت کچھ انقلاب ہوا ہے، ہم کو توقع ہے کہ ان کے اس انقلاب سے اس تحریک مین بھی انقلاب پیدا ہوگا اب ضرورت ہے کہ ہماری تعلیمی مسجد کا قبلہ مغرب سے مشرق کو بدل جائے، اور آستانہ حکومت کے بجائے آستانہ ملت کو اپنا سجدہ گاہ بنایا جائے، اور یونیورسٹی سے عہدہ دارانِ سرکاری کے بجائے خادمانِ قومی پیدا ہون،

یارب این آرزوئے من چہ خوش است تو بدین آرزو مرا برسان،

مطبع معارف سے دار المصنفین کی دو نئی کتابین سیر انصار جلد دوم، اور شعر الہند جلد اول چھپکر تیار ہوگئی ہین، سیرۃ عائشہؓ کا پہلا اڈیشن ختم ہوگیا تھا، دوسرا اڈیشن بھی مطبع سے آگیا ہے، مولانا کی بہترین تصنیف الفاروق جسکے بازاری نسخے اب تک مل رہے تھے، بڑے اہتمام سے اوسکی طباعت ہمارے مطبع مین جاری ہے، مولانا کی اردو نظمون کا مکمل مجموعہ جس مین سیاسی، تعلیمی، تاریخی، اخلاقی ہر قسم کی نظمین ہین چھپکر تیار ہے،

مقالات

شغل تکفیر

از مولانا سید سلیمان ندوی،

مدت کے بعد علمائے **بریلی** کو، جنکو فتنہ ارتداد کی سازش کے بدولت مسلمانون کے سامنے سر اٹھانے کا موقع ملا، اپنے قدیم زنگ آلود ہتھیار یعنی مسلمانون کی تکفیر کے استعمال کی فرصت ہاتھ آئی، ہم کیا کہین کہ ہم تو ان کے نزدیک موروثی طور سے کابراً عن کابر کافر چلے آتے ہین، سب سے زیادہ جنکے سینے اون کے تیرِ ستم سے چھلنی ہین وہ علمائے **ندوہ** ہین، اس باب مین علمائے **دیوبند** بھی ہم سے پیچھے ہین، ہمنے سنا ہے کہ شاید ۹۶ رسالے علمائے ندوہ کی تکفیر اور تفسیق مین انکی طرف سے لکھے گئے ہین، جنکے نامون کا "حادثۂ جانکاہ بر مولوی لطف اللہ" "تکفیر علما الحرمین، اہل الندوہ فی ددالمین واشین (علماء حرمین کا جھوٹے ذلیل ندوہ والون کو کافر بتانا) وغیرہ سے اندازہ کیجئے، اور یہ سب کس جرم مین، اس جرم مین کہ **ندوہ** نے یہ دعوت دی تھی کہ اسلامی فرقون مین کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہنا چاہئے، اور تمام علمائے اسلام کو باہم رواداری سے کام لینا چاہئے اور اعدائے اسلام کے مقابلہ مین ان سب کو باوجود اختلاف عقائد باہم متحد ومتفق ہوجانا چاہئے،

یہ آواز تھی جس پر بریلی کے دار الافتار سے ہزارون تکفیر کے فتوے صادر ہوئے علمائے ندوہ نے انکی ان تمام مزخرفات کا جواب ہمیشہ متانت آمیز خاموشی سے دیا، اور کبھی اپنی تکفیر کرنے والون کو کافر کہکر اپنے وقار علمی کو صدمہ نہین پہنچایا، البتہ اپنے مسلک کے ثبوت مین قرآن پاک، احادیث صحیحہ، اور آثار وتاریخ [مخت]لف سے دلائل کا انبار لگا دیا، یہ رسالے اب بھی موجود ہین اور دفتر ندوہ سے مل سکتے ہین،

علمائے بریلی کے مخالفین اب تک ہمیشہ خاموش، اور سنجیدہ جماعتین رہین، مولانا مرتضی حسن صاحب رسائل کو چھوڑ کر جنھون نے جزاء سیئة سیئة مثلھا پر عمل کیا، علمائے دیوبند بھی ہمیشہ اسی اصول پر قائم علمائے بریلی کی قوتِ تکفیر کی، روز افزون ترقی کا یہ عالم رہا ہے کہ اس بزرگ کو بھی جنکے تصدق سے اگر علم کی وراثت ملی ایک ادنی فقہی مسئلہ پر ہر قسم کے کفریات کا مورد قرار دیا، اس زخم کی گہرائی کو کوئی ہمارے دوست مولٰنا **عبد الماجد** قادری بدایونی سے پوچھے،

اب حال مین اس مشرب خاص کے بادہ خوارون نے **پنجاب** کے چند دیوانون کو چھیڑا، نتیجہ انداز را پاداش سنگ است، اب ان کو نظر آیا کہ کسی مسلمان کو کافر بنانا اوتنا آسان نہین جتنا وہ سمجھے تھے قسم بخدا کہ ان کے اس رویہ سے نہ صرف علم، اور علماء کی بے وقعتی ہوتی ہے بلکہ خود اسلام کو نعوذ باللہ ذلت اوٹھانی پڑتی ہے، پھر اس تعمیم کے ساتھ فتوی کہ "جو ان کے کافر بنائے ہوؤن کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے" سلف صالحین کے آثار و فتاوی کے بیشمار اوراق موجود ہین، کیا اس تعمیمی فتوے کی ایک مثال بھی پیش کیجا سکتی ہے؟ اور سب سے تعجب کی یہ بات ہے کہ یہ فتوے اس مجلس مین صادر ہو جسکو ان احناف کے ساتھ نسبت اور اضافت حاصل ہو، جنکے اماموں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہم

ولا نکفر احدا من اھل القبلة　　ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہین کہتے،

ببین تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا،

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اسلام اور قرآن کے منصوص عقائد و احکام کے انکار کی بنا پر کافر کہے تو وہ حق بجانب ہو سکتا ہے، مگر یہ حضرات اون مسائل مین مسلمانون کی تکفیر کرتے ہین جو خود اون کے ساختہ پرداختہ، یا جو خود اون کے اجتہاد و فکر کے نتائج ہین، حالانکہ پہلے اصول کی طرح اہل سنت اور خصوصاً احناف کا دوسرا متفقہ اصول یہ ہے کہ وہ اہل تاویل کو کافر نہین کہتے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے قول سے کوئی کفریہ کلمہ مستلزم ہوتا ہو، اور وہ اس سے انکاری ہو، یا اس کے اس مطلب کی جو

یہ کفر مستلزم آتا ہو وہ تردید کرے، اور اپنے کو اس سے بری ثابت کرے تو اوسکو زبردستی کافر بنانا صحیح نہین بلکہ یہ انکار و تردید اگر اس سے کفر ثابت بھی ہوتا ہو تو قائل کی توبہ و ندامت کی قائم مقام ہو جائے گی، یہ ہین وہ اصول جو ہماری کتب کلامیہ مین پوری تصریح سے ہر جگہ موجود ہین،

یہ اصول قرآن پاک، احادیث نبوی اور آثار سلف سے ماخوذ ہین، قرآن مجید تعلیم دیتا ہے،

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا،　　جو تم پر سلام (یعنی اسلامی شعار) کا اظہار کرے اوسکو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہین،

ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کہتے ہین کہ ہم مومن ہین، لیکن ہمسے یہ کہا جاتا ہے کہ تم مومن نہین، اسلئے نہین کہ تم ایک خدا کو دو کہتے ہو، اسلئے نہین کہ تم غیر خدا کے آگے جھکتے ہو، اسلئے نہین کہ تم رسول کے منکر ہو یا بشر مین ربانی اوصاف ثابت کرتے ہو، بلکہ اسلئے کہ تم ہماری فہم کے مطابق بعض مسائل کو نہین سمجھتے، اور ہماری عینک سے تم ہر چیز کو نہین دیکھتے ہو، کیا ہمارے ان مقدس علماء کو حضور صلعم کا وہ فقرہ یاد ہے جب ایک بدوی نے یہ کہا تھا کہ خدایا میرے اور محمد (صلعم) کے سوا کسی اور کو نہ بخش، تو آپ نے فرمایا "اے شخص تو نے وسیع رحمت کو تنگ کر دیا" دوسری روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "یہ زیادہ بیوقوف یا گمراہ ہے، یا اس کا اونٹ"۔

صحیحین کی مشہور خبر ہے کہ ایک غزوہ مین آپ کے محبوب صحابی حضرت اسامہؓ ایک کافر پر تلوار اوٹھاتے ہین، کافر فوراً نعرۂ توحید بلند کرتا ہے، صحابی ممدوح اوسکو اوسکا بہانۂ حفاظتِ جان سمجھکر اوس پر تلوار کا وار کر دیتے ہین، اور وہ جان دیدیتا ہے یہ واقعہ حضور انور صلعم کے گوش مبارک تک پہنچتا ہے، جوش کا عالم پیدا ہو جاتا ہے حضرت اسامہؓ کو زجر فرماتے ہین وہ عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ اوس نے اپنی جان بچانے کے لئے صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ دیا آپ فرماتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ کے بعد؟ مسلم مین ہے کہ آپ فرماتے تھے کیف تصنع بلا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ کو کیا کروگے، ایک روایت مین

ہے کہ فرمایا،

هلا شققت عن قلبه — تم نے اس کا دل چیر کر کیون نہین دیکھ لیا،

حضرت اسامہؓ کہتے ہین کہ اس وقت شرم اور ندامت سے میرا یہ حال تھا کہ مین دل مین کہتا تھا کہ کاش مین آج ہی مسلمان ہوا ہوتا، کہ مجھسے ایسی حرکت نہ ہوئی ہوتی،

صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ کو ایک جماعت کا سردار بنا کر بنو جذیمہ کے مقابلہ مین بھیجا، اونکو اظہار اسلام کے اصطلاحی الفاظ معلوم نہ تھے، اُنھون نے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کی جگہ کہا صبونا صبونا (ہمنے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑا یا پرانا مذہب چھوڑا) کہا، حضرت خالدؓ نے جو ایک فوجی آدمی تھے اون کے قتل کا حکم دیدیا، بعضون نے اسکی تعمیل کی، اور بعضون نے اسکی تعمیل سے انکار کیا، کہ یہ حکم اصول اسلام کے خلاف ہے، اور اگر یہ واقعہ دربار رسالت مین عرض کیا، حضور نے یہ سنتے ہی دونون ہاتھ اُٹھائے اور متعدد دفعہ فرمایا، "خداوندا! مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برأت ظاہر کرتا ہون، خداوندا مین خالد کے اس فعل سے تیرے آگے برأت ظاہر کرتا ہون"،

حضرت مقدادؓ فتویٰ پوچھتے ہین کہ یا رسول اللہ صلعم اگر لڑائی مین کسی کافر سے مقابلہ آپڑے اور وہ اپنی تلوار سے میرا ایک ہاتھ اوڑا دے، اور جب وہ میری زد مین آئے تو کہہ اٹھے کہ "مین اسلام لایا" تو کیا اسکے بعد اس کو قتل کر سکتا ہون؟ فرمایا، نہین اب تم قتل نہین کر سکتے، عرض کی یا رسول اللہ اوس نے میرا ایک ہاتھ اوڑا دیا، اور اس کے بعد یہ کلمہ پڑھا، فرمایا نہین، اب تم قتل نہین کر سکتے، کہ تمھارے قتل کرنے سے پہلے وہ تمھارے درجہ کے برابر ہوگیا، اب اگر تم اسکو قتل کر دگے تو تم اس درجہ مین ہوگے، جس مین وہ اس کلمہ کہنے سے پہلے تھا،

اللہ اکبر! قتل مسلم خود کفر ہے،

کون نہین جانتا کہ مدینہ مین منافقین کی ایک جماعت تھی جو دل سے مسلمان نہ تھی مگر زبان سے

اپنے کو مسلمان کہتی تھی، آنحضرت صلعم ان مین سے ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، مسلمانون کو ان سے تکلیفین پہنچی تھین، لڑائیون مین ان سے اونکو خطرہ تھا، جان نثار برابر ان کے قتل کی اجازت چاہتے تھے اور حضور انکار فرماتے تھے، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے کسی سے پوچھا کہ مالک بن دخشن کہان ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ منافق ہے، خدا اور اس کے رسول سے محبت نہین رکھتا، آنحضرت صلعم نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کہو، تم نہین کہتے کہ وہ خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہے، صحابی مذکور نے کہا، کیون نہین، فرمایا کوئی بندہ اسکو لیکر قیامت مین نہین آئے گا، لیکن خدا اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا،

یہ ان لوگون کی نسبت ارشاد ہے جنکے عمل ان کے قول کی مطابقت نہین کرتے،

فتح مکہ کی تیاری کے زمانہ مین جب ایک بدری صحابی نے کفار قریش کو آنحضرت صلعم کے اس ارادہ کی خبر دیدی، اور آپ کو ان کا فعل معلوم ہوگیا، اور ان کا خط پکڑا گیا، تو حضرت عمرؓ ان پر حکم لگا دیتے ہین کہ یہ منافق ہین، آنحضرت صلعم فرماتے ہین کہ اے عمرؓ! ایسا نہ کہو تمھین کیا معلوم کہ خدا نے اُن کے اس فعل کو جان کر اہل بدر کی نسبت یہ کہا ہو کہ مین نے تم کو بخشدیا،

حضرت معاذؓ نماز مین امام ہوتے، اور بڑی بڑی سورتین پڑھتے، ایک دن اُنھون نے سورۂ بقر پڑھنی شروع کی، ایک مقتدی نے مختصر سورہ پڑھکر اپنی نماز ختم کر لی اور چلے گئے، حضرت معاذؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھون نے کہا کہ وہ منافق ہے، اون بیچارے نمازی کو یہ معلوم ہوا تو دربار نبوت مین فریاد خواہ ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم مزدور ہین اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہین، اور خود اپنے اونٹون کو پانی پلاتے ہین، معاذ نے کل نماز پڑھائی تو سورۂ بقر پڑھنے لگے تو مین نے مختصر نماز پڑھ لی، اس پر معاذ کہتے ہین کہ مین منافق ہون، حضرت صلعم نے معاذ کی طرف خطاب کیا، کہ اے معاذ! کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو، کیا تم لوگون کو آزمائش مین ڈالنا چاہتے ہو،

والشمس، اور سبح اسم ربک پڑھا کرو،

ایک شخص کو جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے کافر کہدینا اتنا آسان نہین، جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے، حدیث صحیح مین حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا

ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما (بخاری)

جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کلمہ کفر دو مین سے ایک پر رجوع ہوگا،

یعنی اگر وہ حقیقت مین کافر نہ تھا، تو مسلمان کو کافر کہنا خود اسکے کفر کو مستلزم ہے،

حضرت ثابت بن ضحاک صحابی روایت کرتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

ولعن المومن کقتلہ ومن رمی مومنا بکفر فھو کقتلہ (بخاری)

ایک مسلمان کو لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے، اور جس نے ایک مسلمان پر کفر کی تہمت رکھی تو وہ اس کے قتل کے برابر ہے

اسلام مین خوارج کا فرقہ صحابہ اور سلف صالحین کے عہد مین پیدا ہو چکا تھا، ان سے لڑائیان ہوئین اور خونریزیان ہوئین، مگر انھون نے ان کو کافر نہین کہا، نہ اونکی بیویون کو مطلقہ سمجھا، نہ اسکے مال و اسباب کو لوٹنا جائز قرار دیا، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کیا یہ کافر ہین، فرمایا یہ تو کفر ہی سے (اپنے خیال کے مطابق) بھاگے ہین، بلکہ متاخرین کے اقوال سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، صاحب کتاب الروضہ نے جیسا کہ فتح الباری مین ہے اہل سنت مین سے اکثر اہل اصول کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اونکو شہادتین کے تلفظ اور ارکان اسلام کی بجاآوری کے باعث کافر نہین کہا جائے گا، امام الحرمین سے کسی نے فتویٰ پوچھا تو انھون نے جواب دیا "کسی کافر کو مسلمانون مین داخل کرنا اور کسی مسلمان کا اسلام سے خارج کرنا بڑی بات ہے" امام ابوبکر باقلانی نے اونکو کافر کہنے مین تامل کیا، اور فرمایا کہ قوم نے انکی تکفیر کی تصریح نہین کی ہے، امام خطابی کہتے ہین:

تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خوارج اپنی گمراہی کے باوجود مسلمانون ہی کے فرقون مین سے ایک فرقہ ہین، اور ان سے رشتہ مناکحت، اور اونکا ذبیحہ کھانا جائز ہے، اور وہ جب تک اصول اسلام کو

مانتے ہین انکی تکفیر نہین کیجائیگی، امام غزالی التفرقہ بین الاسلام والزندقہ مین لکھتے ہین:-

ینبغی الاحتراز عن التکفیر ما وجد الیہ سبیلا فان استباحۃ دماء المصلین المقرین بالتوحید خطاء والخطاء فی ترک الف کافر فی الحیاۃ اھون من الخطاء فی سفک دم مسلم واحد،

جب تک ممکن ہو اور راہ پیدا ہو سکے تکفیر سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ نمازی اور توحید کے اقرار کرنے والون کے خون کو مباح سمجھنا غلطی ہے، اور ایک ہزار کافرون کو زندہ چھوڑ دینے مین غلطی کر جانا ایک مسلمان کے خون کو بہانے مین غلطی کرنے سے بدرجہا آسان ہے،

حزب الاحناف کی مجلس کے لیے ائمہ احناف کے متفقہ فتوے یقیناً زیادہ موثر ہونگے

ائمہ احناف متفقاً کہتے ہین،

واعلم انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن، او کان فی کفرہ خلاف ولو کان ذلک روایۃ ضعیفۃ ... اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ (شامی باب حکم المرتد)

جاننا چاہئے کہ کسی ایسے مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے جسکے کلام کے کوئی بہتر معنی بھی ممکن ہون، اور جسکے کفر کے بارہ مین اہل افتا مین اختلاف رائے ہو اگرچہ وہ فتویٰ ضعیف ہی روایت سے کیون نہ ہو۔۔۔ جب کسی مسئلہ کے متعدد ایسے وجوہ نکل سکتے ہین جن سے کفر واجب ہوتا ہے اور صرف ایک وجہ ایسی ہو جو کفر کو مانع ہو تو مفتی پر اسی مانع کفر وجہ کی طرف مائل ہونا واجب ہے،

اس عام فتویٰ سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مسلمان کے کلام سے اگر بعض ایسے معنی نکلتے ہون جو کفر کو مستلزم ہون، لیکن اوسکے ایسے معنی بھی نکل سکتے ہون جن سے کفر لازم نہین آتا، تو اس کے کلام کو اسی مانع کفر معنی پر محمول کرنا چاہئے، خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ اس مشکوک کلام کے بعد بھی وہ نماز پڑھتا ہے، محمد رسول اللہ

صلعم کے ساتھ عقیدت رکھتا ہے، اسلام کی خدمتین انجام دیتا ہے، تو اس قسم کے فتوؤن کی رکاکت اور بیہ...

اور ظاہر ہو جاتی ہے، یہ جزئیہ بھی کتب فتاوی مین مذکور ہے،

حضرت امام محمد جو فقہ حنفی کی عمارت کی اصل بنیاد ہین، اپنی کتاب آثار محمدیہ مین روایت کرتے ہین، کہ ح...

ابن عمرؓ سے اگر کسی نے فتوی پوچھا کہ یا ابا عبد الرحمان یہ لوگ جو ہماری بند چیزون کو چرا لیجاتے ہین، اور ...

دروازون کو کھول ڈالتے ہین، کیا وہ کافر ہین؟ فرمایا نہین، پھر دریافت کیا کہ کیا یہ لوگ جو قرآن کے غلط ...

(تاویل) کرتے ہین، اور ہم کو کافر کہتے ہین اور ہمارا خون حلال سمجھتے ہین (یعنی خوارج) کیا یہ کافر ہین؟ ...

نہین، اس نے تعجب سے پوچھا تو پھر کیونکر: ارشاد ہوا کہ نہین جب تک وہ خدائے واحد کے ساتھ کسی کو شریک

نہ بنائین،

یہ تھا ائمہ احناف کا رویہ! اور یہ ہے حزب الاحناف کا فتوی!

اسوۂ صحابیات

مصنفہ

مولانا عبد السلام ندوی،

اس کتاب مین ازواج مطہراتؓ، بنات طیباتؓ، اور اکابر صحابیاتؓ کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے درج کئے گئے ہین، اس حیثیت سے وہ عورتون اور لڑکیون کے درس، مطالعہ اور ہدایت کے لئے نہایت مفید ہے، قیمت عہ ہے،

بہادر خواتین اسلام

گذشتہ مسلمان خاتونون کے شجاعانہ کارنامون کا تاریخی مرقع، قیمت ۸ر

"منیجر"

اسلامی فلسفہ

قرون وسطی کے اندلس مین،

از

پروفیسر پی، جی، برج، پرنسپل سینٹ پال کالج، کلکتہ،

مترجمہ

قاضی احمد میان اختر جوناگڑھی

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یورپ کے کسی حصۂ ملک نے ایک پرزور نشاۃ الثانیہ کیلئے اتنا قیمتی سرمایہ ذرخیز ... مین پایا، اور اس وسیع براعظم کی اقوام مین سے کوئی قوم شاندار احیاء علوم و معارف کے لئے اس شان و شکوہ ... سے نہین اٹھی، جیسے کہ چودھوین صدی کے آخر مین جزیرہ نمائے آئبیریا (اندلس) اور اس کے باشندے اندلس کے یہود ... اور مسلمان علماء فلسفہ نے شمع علم و حکمت کو روشن رکھنے مین اس وقت نمایان حصہ لیا جبکہ براعظم یورپ کے آسمان پر ... ابر بربریت اور وحشت کی گھٹائین چھائی ہوئی تھین؛ ازمنہ وسطی کی تاریخ کے ایک ماہر شخص کا بیان ہے کہ سامی نسلون کے ... شاندار فلسفیانہ ارتقا سے عیسائی فلسفہ کا افلاس شدید بالکل متناقض تھا، ریمونڈ لل کے سوا، جو مسلمان اور یہودی ... مصنفین، خصوصاً اول الذکر، کی خوشہ چینی کا رہین منت ہے، عیسائیت نے شاذ ہی کوئی نمایان قابلیت کا فلسفی ... پیدا کیا ہے، تاریخ اسلام کا وہ متعصب اور متوہم نقاد سیل (SELL) اس جزیرہ نما کے عربی عہد حکومت ... ابتدائی (PRIMARY) تعلیم کے بہترین نظام کی شہادت مندرجہ ذیل الفاظ مین دیتا ہے:-

"وہان ابتدائی تعلیم کا نظام اس قدر مکمل تھا کہ تقریباً اندلس کا ہر شخص لکھنے پڑھنے پر قادر تھا، ایک ایسے معمولی کاشتکار کا ملنا بھی مشکل تھا جو پڑھ لکھ نہ سکتا ہو، حالانکہ دیگر مغربی ممالک مین ایسے ایک شخص کا ملنا بھی دشوار تھا"

اور اعلی تعلیم کے لیے، تو ہمین معلوم ہے کہ، قرطبہ تمام مہذب دنیا مین بجا طور پر مشہور تھا، تحصیل علم کے ساتھ شوق اور دلچسپی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسی شہر قرطبہ کی علمی درسگاہ مین پانچہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، کبھی گمان بھی نہین ہو سکتا کہ قرون وسطی کے یورپ مین ایسی زبردست علمی تحریک کا وجود رہا ہوگا، لیکن ہمین تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارا نصف دانستہ، نصف نادانستہ تعصب، اس سامی تہذیب کے خلاف، ہماری بے اعتباری کا ذمہ دار ہے۔ **ازمنۂ مظلمہ** کا غیر موزون نام، جو باصرار تمام قرون وسطی پر چسپان کیا جاتا ہے، بہت کچھ ہمارے اس طرز عمل کا ذمہ دار ہے، عربی تاریخ کا محقق ماہر **ربیرا** ہمارے سامنے اقبال کرتا ہے کہ اس کو اس بات کے تسلیم کرنے مین کس قدر تامل تھا کہ پادری **زمینیز** نے جیسا کہ اسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے، واقعی فتح غرناطہ کے بعد ہزارون عربی کتابون کو نذر آتش کر دیا تھا، **ربیرا** کہتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو ایک مبالغہ خیال کرتا تھا جس کا باعث بعض مورخین اندلس کا، کلیسائے روم کے بلند رتبہ عہدہ دار (پوپ) کو بدنام کرنے اور الزامات لگانے کا میلان طبعی ہے، اس تاریخی غلطی کو رفع کرنے کے خیال سے اس نے اندلس کے عربی تمدن کے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے، اور اپنی پرشقت تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر وہ تیقن کے ساتھ لکھتا ہے:-

"یہ ایک قطعی اور حقیقت نفس الامری ہے کہ اندلس کے اسلامی عہد حکومت مین دو لاکھ قلمی کتابین موجود تھین"

صرف **ربیرا** ہی وہ عربی کا عالم نہین ہے جو اس اسلامی تہذیب کی شہادت دیتا ہے، بلکہ مشہور اندلسی فاضل **آسین ای پلیسوس** اور **کودیرا** بھی اسلامی اندلس کے افاضل فلاسفہ کو ایک بیش بہا

خراج تحسین پیش کرنے مین برابر کے شریک ہین، نہ صرف موجودہ علما اندلس اسلامی تہذیب کی نسبت اپنے مسلمہ تحسین کے علانیہ اظہار مین تنہا ہین، بلکہ نامور مورخ **دوزی** اور **اسکاٹ** بھی اپنی غیر متزلزل مدح سرائی مین برابر رطب اللسان ہین، **اسکاٹ** اپنی زبردست اور مکمل تاریخ "اندلس کا اسلامی عہد سلطنت" مین لکھتا ہے:

"کوئی بادشاہ، جسکا ذکر تاریخ نے کیا ہو، ایسا نہین گذرا جو الحکم ثانی کے مبلغ علم یا اس کے مذاق علمی کے تعدد و تنوع کی برابری کر سکا ہو، دنیا کے ہر ملک مین، تمدن کے مرکز مین، مشرق کے عظیم الشان دارالخلافتون مین اور تجارت کی زبردست منڈیون، بغداد، قاہرہ، دمشق مین، اس کے ایجنٹ اسکے کتبخانون کے واسطے کتابین فراہم کرنے کے لئے مقیم تھے، مشہور مصنفین کی منافست اور مسابقت ممالک دور دراز سے انکی تصانیف کو قرطبہ پہنچانے کا باعث ہوا کرتی تھی"

ایسی فیاضانہ سرگرم کوششون کا کامیاب نتیجہ ایک عجیب و غریب ذخیرہ کتب کی صورت مین نمودار ہوا، جو یورپ مین، بقول اسکاٹ، بلا شبہہ ایک عظیم ترین حفاظت گاہ علم تھا، بقول بعض مصنفین اس کتب خانہ مین کتابون کی تعداد چالیس ہزار، اور بقول بعض ساٹھ ہزار تھی، بالفاظ دیگر افریقہ، ایشیا، اور یورپ کی تمام حاصل شدہ حکمت قرطبہ مین جمع ہو گئی تھی، "اسکاٹ لکھتا ہے"

"اس ذہنی و دماغی ظلمت، قابل تنفر بداخلاقی اور غلاظت، اور بدترین عصبیت کے برعکس جو یورپ کی معاصرانہ ہیئت اجتماعیہ کو ممتاز کرتی ہے، الحکم ثانی اندلس کے عربی تمدن: شعر و صنعت اور علوم و فنون کا قابل ترین نمایندہ تھا"

گذشتہ پچاس سال سے اسپین کی ان کثیر التعداد گرد آلود قلمی کتابون کو بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور کارآمد بنانے کی قابل قدر کوششین عمل مین لائی جا رہی ہین، جو عمل **انکویزیشن** کی بربادی مین زمینز اور اس کے رفقا کے تباہ کن ہاتھون سے بچ کر رہ گئی ہین، اہل اسپین کا یہ طرز عمل انکی گذشتہ بے اعتنائی کی تلافی ہے اور فی الواقع یہ تحریک حکمۂ اندلسی "کی نشاۃ الثانیہ" کہلائے جانے کی مستحق ہے، وہ خوف دہر اس

جو ہر قدامت پسند اندلسی پر طاری ہوتا تھا، اور جو غیر عیسائی نسلون کے "غیر مقدس" اور خطرناک لٹریچر سے باز رکھتا تھا، آج تقریباً ناپید ہے، اور آج یہ انتعاش علوم کے علمبردار بہ نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ ان کافرانہ (اسلامی) علوم" کے مطالعہ مین مصروف ہو گئے ہین، احیاء علوم کی اس تحریک کا بانی مبانی اور محرک اول **مننڈیزی پلایو** تھا، جسکی علمیت بہت وسیع تھی، سترہ برس کی عمر مین اس نے **علوم الاندلس** (Ciencia Espanola) نام کی ایک کتاب لکھکر شائع کی جو حکمۂ اندلسی کے پوشیدہ خزانون کی طرف اہل علم کی توجہ کو منعطف کرنے مین نہایت پر اثر ثابت ہوئی، اسکی مقناطیسی شخصیت نے اپنے گرد ملک کے ذہین اور محنتی نوجوانون کو جمع کر لیا، اور علوم اندلس کی خوبیان ان پر آشکارا کرنے، اور فضلائے اندلس کے اکتشافات کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے ان کے سینون مین حب الوطنی کا جوش پیدا کر دیا، اسکی زندگی کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ عربی زبان اور عربی تاریخ کے مطالعہ کو زندہ کیا جائے، اور اسکی انتھک کوششون کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج اس جزیرہ نما مین تحقیقات علمی کے لئے ایک حیرت انگیز اعتناء مشاہدہ کر رہے ہین اندلس کا اپنے قرون متوسطہ کے فلاسفہ کی اہم تصانیف کو روشنی مین لانا در اصل اپنی دولت گم گشتہ کا تلاش کرنا ہے، اس تحریک کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ روایت کی قید سے بالکل آزاد ہے، اس بات پر کوئی شخص اظہار تاسف کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ اسپین نے عربی علوم کے تنزل کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ کثیر التعداد مصنفین کی تصانیف کو تلف ہونے دیا، قرون وسطی کی اندلسی تہذیب کا تجزیہ کرنے کے قریب آتے ہوئے ناقدین اس بات پر متفق معلوم ہوتے ہین کہ یہ تہذیب مادۂ اختراعی کے اثر سے محروم تھی، اور اس زمانہ مین مجددین فلاسفہ کا وجود نہ تھا، اسپین بھی تمام بر اعظم یورپ کی طرح اپنی تخئیل کی نشو و نما کے لئے مشرق کا دست نگر تھا اور جرأت آمیز حریت خیال کی سحاب تک طلوع نہین ہوئی تھی، فلسفہ کے شاندار نظام تعمیری کا دور نہین آیا تھا، عربی نسلون نے بھی بہ نسبت قوۂ اختراعی کے قوۂ اخذ مین نمایان شہرت و امتیاز حاصل کیا، با این ہمہ مشرقی فلسفہ مغرب مین، جیسا کہ ہم دیکھ چکے، کچھ کم مقدار مین نہین لایا گیا، اگرچہ لازمی طور پر یہ

قیاس کرنا بیجا نہین ہے کہ عربون کے اس عمل اتخاذ کو ایک مدت مدید درکار ہوتی خصوصاً ایسی حالت مین جب کہ اس جزیرہ نما کا سیاسی اضطراب کسی طرح فلسفیانہ موشگافیون کے لئے موافق نہ تھا، فی الحقیقت اندلس نے اہل عرب سے ورثہ مین کیا پایا؟ اور اس نے تمام یورپ مین کیا منتقل کیا؟ ان دو سوالون کا جواب طلیطلہ کے دار الترجمہ کے کارنامے دے سکتے ہین،

۱۰۸۵ء مین عیسائیون کے ہاتھ سے فتح ہونے کے بعد طلیطلہ بتدریج علم کا مسکن، اور فلاسفۂ مشرق و مغرب کا مرکز اجتماع بنگیا، شہر قرطبہ اپنے بعض مرابطین اور ان کے جانشین موحدین فرمانرواؤن کے ہاتھون فلاسفہ پر جبر و تشدد ہونے کی وجہ سے، اپنے علمی مرکز ہونے کا استحقاق کھو چکا تھا، اسلئے کثیر التعداد اہل یہود طلیطلہ مین آکر پناہ گزین ہو گئے، اور بعض جلیل القدر عرب مصنفین نے بھی انکی تقلید کی، ان فداکاران حریت کے لئے طلیطلہ نے اپنی آغوش شوق کھولدی، اور بہ دل سے ان کا خیر مقدم کیا،

ان حالات نے طلیطلہ کے اس زمانہ کے اسقف اعظم کے لئے، اپنے گرد منتخب فضلائے روزگار کا اجتماع، اور حکمت مشرقیہ کا قابل الفہم زبان مین ترجمہ کرانے کے مہتم بالشان کام کو ممکن بنا دیا، ان سب مین **شقوبیہ** (Segovia) کا رئیس الاساقفہ **ڈومنیک گونڈیسالوس** (یا گونڈیسالوینس جیسا کہ بعض مصنفین اس نام کو ترجیح دیتے ہین) اور **جان آونڈریتھ**، جو یہودی سے عیسائی ہو گیا تھا، سر بر آوردہ تھے، ترجمہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ غالباً نامکمل تھا، گونڈیسالوس کی واقفیت عربی سے بہت محدود تھی، اسلئے وہ صرف آونڈریتھ کے بتائے ہوئے معانی کو مترادف لاطینی الفاظ کا جامہ پہنا دیتا تھا، جملہ کی ترکیب لازمی طور پر بہ نسبت لاطینی ہونے کے زیادہ تر عربی ہوتی تھی، جو بسا اوقات اس کے مطلب کو خبط کر دیتی تھی، ترجمہ کی یہ میکانیکی صورت، جیسا کہ **رینان** اپنی کتاب "ابن رشد و فلسفہ" مین بجا طور پر لکھتا ہے، اس مین شک نہین کہ بیحد ناقص ہوتی تھی تاہم وہ اس زمانہ مین بسا غنیمت سمجھی جاتی تھی، یہ تراجم کیسے ہی نامکمل کیون نہ ہون لیکن فلسفیانہ تخئیل کو ابھارنے اور اصل تصانیف کی طرف رغبت

کرنے مین نہایت قیمتی ثابت ہوئے، ارسطو کی تقریباً تمام تصانیف کا ان مترجمین نے ترجمہ کر ڈالا، اسکے علاوہ متعدد فلسفیانہ دقائق سے لبریز کتابون کی تصنیف کا اعزاز گونڈیسالوس کو حاصل ہے، ان تراجم نے غیر ممالک کے ماہرین فن کی توجہ کو منعطف کیا، جنھون نے فوراً طلیطلہ پہنچکر عربی کی تحصیل کی اور تراجم کے اس اہم کام مین شریک ہوگئے، اُن فضلاء یورپ کے کئی نام ہم تک پہنچے ہین جنھون نے اس کام مین نمایان حصہ لیا، مثلاً **جیرڈ کریمونی**، **میکال اسکاٹ**، اور **ہرمن** جرمنی، **ہارلیو** اپنی مشہور تصنیف "فلسفہ مدرسیہ" مین **ریمونڈلل** طلیطلی کی تعریف مین رطب اللسان ہے، اور لکھتا ہے کہ اس نے یورپی تہذیب کی جو خدمات جلیلہ انجام دی ہین وہ اس قابل ہین کہ تانبے کے پترون پر منقوش کرائی جائین تاکہ آیندہ نسلین اسکو ہمیشہ یاد رکھین،

رینان، مغربی فلسفیانہ تحقیقات پر ان تراجم کے اثر کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ مین کرتا ہے:

"مغربی فلسفہ مین عربی متون کی شمولیت نے قرون وسطیٰ کی فلسفیانہ اور سائنٹفک تاریخ کو دو نمایان حصون مین منقسم کر دیا اول الذکر کے پاس اپنے استعجاب کو مطمئن کرنے کے لئے رومن اسکول کی تعلیمات کے غیر مسلسل اور منتشر آثار کے سوا کچھ نہین، جیسے، مرسیون، کیپلا، بیڈ ایسے لوگون کی تصانیف معمور ہین، آخر الذکر کے ہان، مغرب مین علوم قدیمہ بہت منتظم طریقہ پر اہل عرب کی شروح کی صورت مین یا اصل یونانی تصانیف کے ذریعہ سے پہنچے جنکی صرف تلخیصات پر رومیون نے قناعت کی"

لہذا مشرقی فلسفہ کی ترویج و اشاعت کے لئے خواہ وہ کتنے ہی ناکمل طریقہ پر کیون نہ ہو، مہذب دنیا طلیطلہ کے اس دار الترجمہ کی گرانبار احسان ہے،

اس تہذیب جدید کی اشاعت کا اثر اس قدر دور رس ہونے کے باوجود کما حقہ، بنظر استحسان نہین دیکھا گیا، جس کا سبب غالباً عربی علوم کی تعلیم کا تنزل تھا، جو اندلس سے مسلمانون کے اخراج، اور عیسائیون کے

جابرانہ تشدد کا رہین منت ہے، سالہا سال سے فلسفہ کی تاریخ مین بقول پروفیسر گاوتیر ہم فلسفہ قدیمہ سے فلسفہ جدیدہ کے مطالعہ کی طرف جاتے ہوئے درمیانی قرون پر ایک نگاہ غلط انداز کے ساتھ، بشرطیکہ اتنا بھی ہو سکے، گزر جانے کے عادی ہو چلے ہین؛ گویا اس درمیانی مدت مدید مین نفس انسانی پر تنوم کی حالت طاری ہو گئی تھی، اور فلسفیانہ تخیل کا سدباب ہو چکا تھا، لیکن زمانہ حال کی تحقیقات نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ قرون وسطیٰ کا فلسفہ مدرسیہ نظر غائر اور کافی توجہ کا محتاج ہے، اور یہ کہ اس اسکول کے مشاہیر مترجمین کی تحریرات کی توضیح و تشریح کے لئے اسلامی اور یہودی فلاسفہ کی تصنیفات کا تھوڑا اور معمولی مطالعہ ناکافی ہے **البرٹس اعظم**، **طامس اقویناس**، اور **ڈنس اسکاٹس** وسیع پیمانہ پر اندلسی فلاسفہ **ابن رشد**، **ابن جبرول**، اور **موسیٰ بن میمون** کے مرہون منت ہین، موخر الذکر (ڈنس اسکاٹس) کی تصانیف سہل الحصول اور سریع الفہم نہین اسلئے اس بات کی تحقیق ناممکن ہو گئی کہ عیسائی مترجمین نے غیر عیسائی مصنفین سے کس قدر اخذ کیا ہے، بااینہمہ زمانہ حال مین یورپ مین، عربی اور یہودی فلسفہ کا مطالعہ علوم اسلامیہ کی اشاعت کے دو شاندار نتیجون کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے؛ سب سے پہلے فلسفیانہ اصلاحات کی تعداد مین معتد بہ اضافہ کا ہونا اور ان مین تغیر عظیم پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ مین **سیور لوبنیلا** اپنی تاریخ فلسفہ اندلس مین لکھتا ہے کہ فلسفیانہ مصطلحات کے اس تغیر کے سبب سے البرٹس میگنس کے سمجھنے مین بہ نسبت اسکاٹس اریگینا کے، بڑی دقت پیش آتی ہے، اگرچہ موخر الذکر کا زمانہ بہ نسبت اول الذکر کے ہم سے بعید ہے،

اس اثر کی کمیت زمانہ موجودہ کے واقعات کے مقابلہ سے بخوبی واضح کیجا سکتی ہے، **کانٹ** اور **ہیگل** کے فلسفون کی اشاعت نے زمانہ حال کے فلسفیانہ مصطلحات مین ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا ہے، چنانچہ یورپ مین **سامی فلسفہ** کی اشاعت سے یہی اثر پیدا ہونے کی توقع ہو سکتی تھی، عربی جیسی وسیع اور متمول زبان کے الفاظ نے معانی کے مختلف مفاہیم سے فلسفیانہ لغت مین بیش بہا اضافہ کر دیا جسکا یہ اثر محض الفاظ اور طرز ادا کی آورد تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ خیالات اور مدرکات تک بھی مستعار لئے

گئے تھے۔ اس سلسلہ مین **آسین** لکھتا ہے:—

"خیالات کی اس آورد کے تمام پہلوؤن کی تحسین کرنے کے لئے بارھوین صدی بیشتر کے مغربی عیسائی مترجمین کے فلسفیانہ، فقہی اور متصوفانہ خیالات کی ایک جامع اور مکمل فہرست بنانا، اور ان کا مقابلہ تیرھوین صدی عیسوی کے مترجمین کے انھی خیالات کے ساتھ کرنا نہایت ضروری ہوگا،

جیسا کہ **آسین** کا پختہ یقین ہے، یہ مقابلہ اس حقیقت کو بے نقاب کردے گا کہ سب سے پہلی بار ان خیالات کی بہت بڑی مقدار تیرھوین صدی مین رونما ہوئی، اور تحقیق کرنے پر ان خیالات کا سراغ مسلمان یا یہودی فلاسفہ تک آسانی سے لگایا جاسکے گا، اسی **آسین** اور **ربیرا نے ریمونڈ لل** کی تصانیف کا بالاستیعاب اور باحتیاط مطالعہ کیا ہے، اور دونون اس اہم نتیجہ پر پہنچے ہین کہ عیسائی صوفی، جیسا کہ لل کو کہا جاتا ہے، اسلام کے نامور صوفی حضرت محی الدین **ابن العربیؒ** کا خوشہ چین ہے، اس قیمتی نتیجہ کی شان مین وہ یہ حقیقت ظاہر کرتے ہین کہ ریمونڈ لل نے اپنی کتابون Lamentatio Philoso phiae Contra Averroistas اور Auditor Kabbalistico مین ایک دائرہ کی شکل کھینچی ہے لیکن کسی جگہ اسکی علامتی اہمیت" نہین تبلائی، اس وجہ سے لل کی تعلیمات بہت مبہم اور ناقابل فہم ہوگئی ہین، آسین نے حال ہی مین یہ ثابت کردیا ہے کہ حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی تصانیف مین یہی شکل مفصل تشریح کے ساتھ پائی جاتی ہے جو لل کے اصول سے بالکل مطابق ہے، یہ اہم نتیجہ ابن العربیؒ کی **فتوحات مکیہ** کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد نکالا گیا ہے، لل کو اپنے ماخذ کا حوالہ نہ دینے کی افسوسناک عادت تھی اس امر نے اسکی تصانیف کا دیگر تصانیف کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا بہت دشوار بنادیا ہے؛ غالباً اسکی شہرت اور ناموری کے خیال نے اپنے سے ماقبل یا ہمعصر ماخذ کا احسان تسلیم کرنے سے اسکو باز رکھا؛

یہ کہا جاتا ہے کہ مغرب کو جو "عربی ورثہ" ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ارسطو کی تصانیف سے روشناس

کرانے پر مشتمل تھا، لیکن اگر ہم عربی فلسفہ کے کارنامون کو اسی تک محدود کردین تو وہ کوئی زیادہ تعریف کے قابل نہین رہتا، اس لئے کہ یورپ مین ارسطو کی تصانیف بعد مین اصل یونانی مین لائی گئی تھین، اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ عربون نے یقیناً ارسطو کے فلسفہ پر اپنی شخصیت کا نقش بٹھادیا، ہمین یہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ ارسطاطیسی مسائل کی تفہیم نے، جو اہل عرب نے کی، قرون وسطی کے فلسفہ اسکولاسٹکی کی بہت سی خصوصی تعلیمات کو ترقی دی اور وہ دو مدرسے (جنمین فلسفہ اسکولاسٹکی اپنے تمام مزمن اور ناقابل اتصال رجحانات کے ساتھ فلسفہ طامس اقوینا (Thomism) اور فلسفہ ڈنس اسکاٹس (Scotism) نامی دو حصون مین منقسم تھا) غیر عیسائی مدرسیت (علم کلام) کے مروجہ میلانات سے پوری مطابقت رکھتے تھے؛ "تفوق ارادت بر عقل اور وحدۃ الوجود" وغیرہ مسائل مین ڈنس اسکاٹس کا پیرو و مؤید اندلس کا یہودی ابن جبرول تھا جسکو مدرسین (Avicebron) کہتے ہین، اور مسئلہ عقول عشرہ مین طامس کا فلسفہ فارابی، خصوصاً ابن سینا اور میمونیون کے فلسفہ سے اکثر امور مین ملتا جلتا ہے،

چنانچہ حال ہی مین آسین موصوف نے دوسرے طریقہ سے طامس اقوینا کے فلسفہ پر عربی فلسفہ کے اثرات کا سراغ لگایا ہے، وہ بتاتا ہے کہ تیرھوین صدی کے اندلس کے ایک ڈرامینکن راہب **ریمونڈ مارٹی**، نے جو عربی زبان کا ماہر تھا، ایک کتاب "تہافۃ العقائد" (Pugio fidae) بیرد ابن رشد کے خلاف لکھی تھی، آسین ثابت کرتا ہے کہ اسکی بنیاد تمامتر امام **غزالیؒ** کی تہافۃ الفلاسفہ پر ہے، مارٹی نے اس مین یہ ثابت کرنے کے لئے کہ خدائے تعالیٰ کو تمام جزئیات مخلوقات کا علم ہے اور اسلئے اسکی قدرت ان سب پر حاوی ہے، مسئلہ حدوث عالم اور حشر اجساد کے ثبوت مین وہی دلائل بیان کئے ہین جو امام موصوف نے لکھے ہین؛ نیز یہ اہم حقیقت کہ طامس اقوینا نے بھی اپنی کتاب **رد ملاحدہ** Summa Contra Gentiles مین (جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے تہافۃ الفلاسفہ کی ہم آہنگ ہے) مارٹی کے دلائل استعمال کئے ہین، اس طرح آسین نے ان مترجمین کا امام **غزالیؒ**

سے استفادہ کرنا بوجہ احسن ثابت کردیا ہے،

آخر مین اس امر پر تعجب کئے بغیر نہین رہا جاسکتا کہ سب سے اہم واقعہ جس کا تعلق قرون وسطیٰ کے فلسفہ کے ساتھ تھا وہ فلسفہ اور مذہب کا اختلاط ہے جس نے مسلمان اور یہودی فلاسفرون کے دماغون کو عرصہ دراز تک مشغول و مصروف رکھا، فلسفہ اور مذہب مین تطبیق دینے[1] کا اعزاز ابن رشد کو دیا جاتا ہے لیکن آسین اپنی کتاب ابن رشد وطامس اقوینو مین لکھتا ہے کہ ابن رشد سے ایسے نظریہ کا انتساب صحیح نہین ہے، پھر بھی یہ امر واقعی ہے کہ پیروان ابن رشد نے عقل و مذہب کے درمیان ایسی تفریق کی حمایت کی ہے،

یہ مسائل تھے جنکو اس اسکول کے فضلار نے حل کرنا چاہا، کیا ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ انکی کوئی اولین اہمیت نہین ہے؟ کیا انھی مسائل نے مختلف پیرایون مین، فلاسفہ حال کے دماغون پر اپنا تسلط نہین جمایا؟ کیا (مثلاً) ڈاکٹر **لوزانقی**، تمام مذاہب اور ان کے الہامات کو گھٹا کر افلاطونی "تسکین فلسفہ" مین مقید کردینا نہین چاہتے؟ یہ مسائل اُن چند مسائل مین سے ہین جو ہمیشہ عقل انسانی کو مبہوت و متحیر بناتے رہے ہین، اور یہی تھا جسکو ہم چودھوین صدی کے اختتام پر، جزیرہ نمائے آئبیریا کا "سرمایۂ حکمت" کہہ سکتے ہین اگر کسی ایسے شخص سے جو عام اہل اندلس کے برعکس مذہبی نفرت و تعصب سے خالی ہو، یہ سوال کیا جاتا کہ فلسفیانہ تحقیقات کو جاری رکھنے کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہوتا؟ تو وہ بلاتامل یہ جواب دیتا کہ علوم فلسفیہ مین اندلسی کارگزاریون کا وہی طریقہ ہونا چاہئے تھا جو مارٹی اور لل نے اختیار کیا تھا، لیکن بدقسمتی سے خصوصاً اسپین اور عموماً سلطنت علم کے نقصان عظیم کی بدولت یہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، اگرچہ عیسائی افواج کی فتحمندیون نے جو ان کو مسلمانون پر حاصل ہوئین، اندلس کے مسلمان اور یہود بلکہ متنصرہ تک کے

[1] یعنی کوئی بات جو برہان سے ثابت ہو گئی ہو اور مذہب مین اس کے خلاف ہو تو مذہب مین یقینی تاویل کی جاوے گی۔ آخر؛

خلاف انکی دبی ہوئی آتش تعصب کو مشتعل کردیا، اور مذہبی بغض و عناد کے شعلہ کو بھڑکایا، تاہم مارٹی اور لل کے سے شخصون نے اندلسی مسلمان اور یہود کی حالت سے ہمدردی کرنے، ان کے وسیع لٹریچر کا مطالعہ کرنے اور انکی زندگی و تخئیل مین شریک ہونے کے لئے سرگرم کوششین کین، لل کی تصانیف کے ایک ماہر فاضل سیرا کا بیان ہے کہ اسکی متعدد تصانیف مین کئی مرتبہ اس پر مذہب ہی غالب آجاتا ہے تاہم جہان کہین مسلمان مصنفین مستحق تعریف نظر آتے ہین وہان ان کو خراج تحسین پیش کرنے سے اس کو دریغ نہین ہوتا، اور جہان انکا کوئی قیمتی اضافہ معلوم ہوتا ہے تو اس سے استفادہ کرنے مین اس کو تامل نہین ہوتا، جبراً تبدیل مذاہب کی پالیسی کا لل ہمیشہ سخت مخالف رہا، اور عمر بھر اصول مذہبی کے ہمدردانہ اور عاقلانہ بحث و مناظرہ کی اشد ضرورت پر زور دیتا رہا، لیکن مارٹی، لل اور ان کے متبعین کی جماعت بہت مختصر تھی اور آخر کار حامیان جبر و تشدد کی جماعت غالب رہی، اگر اندلس کی نشأۃ جدیدہ کا وہ نامور ہیرو اور اپنے زمانہ کا سربرآوردہ مترجم یونانی **والوزلل** کا قائم مقام بنجاتا اور ابن رشد اور میمونیون کے فلسفہ کی تحصیل کرتے اس کو سمجھنے اور حتی المقدور محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تو حالت کس قدر دگرگون ہوتی، اور تاریخ اندلس کی رو کیسی بدل جاتی، کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ اندلس کو، مسلمانون اور یہودیون کے زمانۂ اخراج سے، (جو ایک قوم کے مذہبی اتحاد کو قائم اور اس کے امن و اطمینان کو برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر سمجھا گیا) پھر کبھی امن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، اور آبناؤن کے اس پار اس کو وطن مالوف سے نکالے ہوئے لوگون کی اولادون کے مقابلہ مین وقتاً فوقتاً مصروف رہنا پڑا، لیکن والوز بلنسیہ مین پیدا ہوا تھا، جہان سامی نسلون کے خلاف مخالفت کا احساس کثرت سے پھیلا ہوا تھا، اور بلاشبہ وہ نسل سامی کی اس مخالفت کو شیر مادر کے ساتھ اپنے خون مین پیوست کرچکا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ لاطینی اور یونانی ہونون کے سوا اسکی آنکھین کسی چیز کو خوبصورت نہین دیکھ سکتی تھین، اندلس سے مسلمانون اور یہودیون کے اخراج کی نسبت، زمانۂ حال کے ایک سربرآوردہ اندلسی مورخ منندیزی پلایو کی رائے یہان نقل کرنا مناسب

نہ ہوگا جو ان حدود کو بتلائے گی، جہان تک کہ "اتحادِ عقائد مذہبی" کی خواہش نے اندلس کے فلسفہ پر اثر ڈالا ہے، اور اب تک ڈال رہی ہے، وہ اپنی کتاب "اندلس کی آزاد خیالی کی تاریخ" Historia de las Heteredoxos Espanoles مین لکھتا ہے:-

"یہ خیال کرنا ایک دیوانگی ہے، اگر کسی کے اخراج یا خاتمہ کر دینے سے "تنازع للبقاء" اور زمانۂ دراز کی بیرحمانہ رقابتون کا اختتام ممکن ہو سکتا ہے، ہمیشہ کمزور نسلین لازمی طور پر مغلوب ہو جاتی ہین اور زوردار اور قوی نسلین غالب آتی ہین"

آخر مین یہی مصنف مسلمانانِ اندلس کے اخراج کو "اتحادِ نسل، اتحادِ مذہب" اور اتحادِ زبان و رسوم کے اصول کی کامیابی تصور کرتا ہے، بالفاظِ دیگر سولھوین صدی اور مابعد کے اہل اندلس اصول قومیت و مذہبیت کو اشیا پرستی (Materialism) کی صورت مین قائم کرتے نظر آتے ہین جسکی قربان گاہ پر ہر چیز قربان کر دی جاتی ہے، اگر ہم ہوشیاری سے اس نشأۃ جدیدہ کے اسباب کا تفحص کرین تو نسل سامی کے خلاف اشتعال انگیزی کے علاوہ [illegible] ہمین ایک اور پوشیدہ سبب، (جسکو نظر انداز نہین کرنا چاہیے) اپنا کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس سے ہماری مراد وہ فرانسیسی یا گلیکانی اثر ہے جسکو گلونی کے راہب اس جزیرہ نما مین لے آئے، ان راہبون نے، جو ایک حیثیت سے یسوعین Jesuits کے نقیب تھے، پوپ کے ہاتھون مین ایک مکمل مرکزیت کی طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی، آخر کار انھون نے مصمم طور پر ان مذہبی رسوم اور حقوق کی جو روما مین مروج نہ تھے شدید مخالفت کی، ان کا مطمحِ نظر تمام یورپ مین صرف عوائد و رسوم مذہبی کا عام اتحاد قائم کر دینا تھا، چنانچہ گلونی کے یہ راہب جنوب اندلس مین فوراً پھیل گئے، اور سب سے پہلا کام جو انھون نے کیا وہ یہ تھا کہ انھون نے **موزارابی** رسم مذہبی کو موقوف کر کے اسکی جگہ فرانسیسی رسم کو، (جو غلط طور پر رومی رسم کہلاتی ہے) جاری کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک مین اس وطنیت (یا صوبہ پرستی Provincialism)

کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی اور ہلڈبراند نے، جو اس وقت گریگوری ہفتم کے نام سے پوپ کے جلیل القدر منصب پر فائز تھا،

قسطیلیہ اور نوریرے کے فرمانرواؤن سے موزارابی رسم کو دبا دینے کے لئے درخواست کی، موزارابی قانون کلیسائی کی کتابون کے حوالہ سے ایک "فتوی الحاد" (فرد جرم عقائد) Auto da fe[1] تیار کیا گیا، اور عوام کی مذہبی زندگی کے ان قومی عناصر کو دبا دینے کی اس پالیسی نے، آگے چلکر ہدایت و رہنمائی کے لئے، اندلس کے عربی اسکول کے قدیم اساتذہ کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے فرانسیسی اسکول کی طرف رجوع کرنے کا ایک ناخوش آیند میلان طبع پیدا کر دیا،

اسی زمانہ مین کم و بیش ایک تیسرا سبب اس مرکزی رجحان کو مستحکم کرنے کے لئے نمودار ہوا، یعنی الفانسو پنجم والی ارغون، اپنی سلطنت مین صقلیہ کے نام دو ملکون کا الحاق ہو جانے سے نیپلز مین اپنی مستقل حکومت قائم کرنے مین کامیاب ہو گیا، اس کا دربار نہایت شاندار اور پرتکلف تھا، جس نے اطالوی نشأۃ ثانیہ کے نامور مصلحین کو اپنے حلقۂ اثر مین کھینچ بلایا تھا، یہان اندلس کے اُن پرشوق، امید افزا نوجوانون کو اطلی کے شستہ مذاق صناعون اور کلاسیکل ادیبون سے روشناس ہونے کا موقعہ ملا اور اس نئی تحریک

[1] عدالت "انکوزیشن" جو اسپین مین مذہب عیسوی سے برگشتہ ملاحدہ کو سزا دینے کے لئے قائم ہوئی تھی اس نے ایک دن ایسا مقرر کر رکھا تھا جس مین مجرمون کو زندہ جلا دیا جاتا تھا، اس روز قانون کلیسا کی رو سے ایک فرد قرار دادِ جرم تیار کیجاتی تھی جس مین ان ملزمین کے اعتقادات وغیرہ کی تشریح ہوتی تھی، چنانچہ یہ "آٹو ڈا فے" بھی ازمنہ مظلمہ کے انھی وحشیانہ مظالم کی ایک یادگار ہے، سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اہل انکوزیشن ان ملزمون کو اسلئے زندہ جلا دیتے تھے کہ رومن کیتھولک چرچ کے اس اصول کے مطابق کہ "اس کلیسا کے دامن پر خون کا دھبہ نہین ہے" ان کو خون بہانے کی ممانعت تھی، کیا خوب ہے ؎

چھپائے سے کہین یہ خون ناحق چھپ نہین سکتا — ہین دھبے خون کے ظالم تری ان آستینون مین — اختر

کا ستعدی اثر ان مین سرایت کرگیا، یہان لاطینی اور یونانی آثار کی طرف سے ان کے دلون مین کامل ذوق و
شوق پیدا ہوگیا، اور اپنے وطن کو مراجعت کرنے کے بعد وہ اندلس کے دار العلومون مین علوم جدیدہ کی اشاعت
کا ذریعہ بنے، لیکن لاطینی اور یونانی "ادب القدما" Renaissance سے روز افزون شوق و دلچسپی کی بدولت
"وحشیانہ عربی تہذیب" کے مطالعہ کی خواہش ان کے دلون سے زائل ہوگئی، اسی اثنا مین بعض وجوہ سے
جنکی تفصیل بہت طول طویل ہوگی، اس نہضتہ علمیہ کا مرکز اطلی سے جنوبی ممالک کو تبدیل ہوگیا، اس واقعہ نے
"نشاۃ جدیدۃ" کی طرف اندلس کا رُخ پھیر دیا، کیونکہ اس وقت سے اہل اندلس رینائزان (نہضتہ علمیہ)
کو ریفارمیشن (تحریک اصلاح) کا مرادف سمجھنے لگے، اور ان کا وہ محبوب و مرغوب قومی و مذہبی اتحاد جو
زمانۂ ماضی مین اسقدر گران قیمت پر خریدا گیا تھا، اس وقت معرض خطر مین تھا جسے بغیر جد و جہد کے دست
بردار ہونا کسی طرح گوارا نہین کیا جاسکتا تھا، اس موقع پر کوئی تعجب نہ تھا اگر مذہبی احساس کثرت کے
ساتھ محسوس ہونے لگا اور "نشاۃ جدیدۃ" (جسکا ارسمس ایک نمایندہ تھا) اور لوتھر کی تحریک اصلاح دونون
(بعینہ اسی طرح جیسے کہ علوم عربیہ زمانۂ ماضی مین) قومی و مذہبی اتحاد کی دشمن، اور مخرب سمجھکر مردود و مطرود
قرار دیگئین، اور فوراً اس مطلوبہ اتحاد کو ملک کے قبض و تصرف مین واپس لانے کی تدبیرین عمل مین لائی
گئین، سب سے پہلے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ ارسمس کی تصنیفات کی اشاعت ممنوع قرار دیگئی، اور
ان نامور مترجمین کی تحریرات کا اسپین مین لانا موقوف کر دیا گیا،

فرمانروایان اندلس کا توہم

فلپ ثانی کی طرح تو

تھا ہی نہین لیکن اگر جو ملک مین صرف ملحدانہ خیالات کو داخل ہونے سے باز رکھنے پر قناعت کرتا، بلکہ ایک

---

[۱] ۱۶۰۹ء مین فلپ ثانی نے متنصرہ (نو عیسائی مسلمانون کو) ان کے عربی نامون کو ترک کر دینے اور مشرقی لباس
نہ پہننے کا حکم دیا تھا، تاکہ وہ بزعم خود، سواد مذہب کا تو نیکی مین شامل معلوم ہون، اس کے بعد فلپ ثالث کے عہد

اور قدم یہ آگے بڑھایا گیا، کہ اندلس کے علما، غیر ممالک مین جانے، اور وہان کے دار العلومون کا معائنہ کرنے
سے روک دیئے گئے، جو خیال کیا جاتا تھا کہ ملحدانہ مسائل کے متعدی اثرات اپنے اندر رکھتے ہین، بہرحال
سچ پوچھیے تو ان شدید تدابیر پر سختی سے عمل نہین کیا گیا، البتہ اتنا ہوا کہ براعظم یورپ کے دیگر ممالک کی بہ نسبت
ان تدابیر نے سرزمین اندلس کو ویران اور بنجر بنانے مین گہرا اور پائدار اثر ڈالا، اس کے بعد سے اندلس کی
تمام اعلیٰ علمی تحریکات اور فلسفیانہ تحقیقات صرف مابعد کی "تحریک اصلاح" Counter-reformation
تک محدود ہوگئین جسکے علمی میدان مین اندلس نے ایسے مشاہیر فلسفہ پیدا کئے جنکے نامون کو شمار کرنا
طوالت سے خالی نہ ہوگا، فلسفۂ اندلسی کی تاریخ مین پھر ایک مرتبہ "مذہبی اتحاد" کا مرض عود کر آیا، اور بیرونی
خیالات و اثرات کی تقویت بخش ہوا کے سامنے اندلس نے اپنے دروازے بند کرکے واقعی ایک خود
کشانہ پالیسی کی حمایت کی، آخر مین ہم ایک تاریخی سند یعنی مورخ منندیزی کے الفاظ کا ترجمہ یہان نقل
کرنے کی اجازت چاہتے ہین، جو اندلس کے دو نامور مصنفون کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے
لکھتا ہے:-

"جب کچھ عرصہ کے پہلے مین نے فلسفۂ اندلسی کے طبعی اسباب پر غور کرنا شروع کیا تو
مجھے اس مین دو برابر کے ممتاز پہلو نظر آئے، یعنی والوز فلسفہ کے تنقیدی پہلو کا نمایندہ ہے
اور لل اس فلسفہ کے اجزا متحدہ کا، والوز فلسفۂ نفسی کو اسکی اختیاری صورت مین پیش
کرتا ہے اور لل اسکی مابعد الطبیعی اور ترکیبی حیثیت کو"

---

[۱] بقیہ حاشیہ صفحۂ قبل) مین تقریباً ایک لاکھ آدمیون کو نہایت بیرحمی اور ذلت کے ساتھ ملک سے نکال دیا گیا، اس طرح اسپین
کی اس احسان فراموش سرزمین نے عربی تہذیب و تمدن اور عربی زبان کے آثار مٹا دینے مین کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہین کیا،
اختر

دوآبۂ دریائے جیحون وسیحون کی تاریخ پر ایک نظر[1]

۱- زیر بحث مسئلہ

وسط ایشیا کا وہ حصہ جو دریائے جیحون وسیحون سے سیراب ہوتا ہے، جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے ایک ہی سمجھا جاسکتا ہے، اس سرزمین نے دنیا کی تاریخ مین متعدد مرتبہ خاص حصہ لیا ہے، چونکہ دریائے تریم کے میدان کے ساتھ یہ ملک متعدد تمدنون کے علاقون مین ذریعۂ آمد ورفت رہا ہے، اور اسی راستے سے وسط مشرق اور اس کے ساتھ ساتھ بحیرۂ روم کے ممالک کا تعلق ہندوستان سے اور خود ہندوستان کا تعلق مشرق بعید کے ممالک یعنی چین، جاپان اور کوریا سے ہوا،

اس لحاظ سے جو تشابہ دریائے جیحون وسیحون کے دوآبہ اور شام کی سرزمین مین ہے وہ کسی مورخ کی نظر سے پوشیدہ نہین رہ سکتا، اور تعجب کی بات یہ ہے، کہ جہان تک غور کرتے جاؤ یہ تشابہ زیادہ ہوتا جاتا ہے، شام اور شمال مغربی جزیرہ نے اناطولیہ اور عراق کو ایک دوسرے سے ملا دیا، اور پھر ان دونون علاقون کا تعلق مصر سے قائم کیا، اور یہ اس وقت جب کہ یہ تینون علاقے اس زمانہ کی تہذیب وتمدن کا مرکز تھے، اس کے علاوہ ان دونون راستون مین ایک اور مشابہت بھی پائی جاتی ہے، یہ راستے جن علاقون مین سے گذرتے ہین وہ بھی بہئیت مجموعی بالکل ایک ہی قسم کے ہین، دونون راستون کے ایک پہلو پر

---

[1] ترجمہ از:- PRO F. ARNOLD J. TOYNBEE: NOTES ON THE HISTORY OF THE ONUS-JANRES BASIN (BULLETINE OF THE SCHOOL OF ORENTAL STUDIES, LONDON INSTITUTION VOL III, PART II.

ایک نہایت ہی ناقابل گذار سطح مرتفع ہے، شام کے راستے مین عرب اور دریائے جیحون وسیحون کے راستے مین تبت واقع ہے، عین اس زمانہ مین جب کہ یہ دونون راستے دو عظیم الشان تمدنون مین ذریعۂ آمد ورفت بنے ہوئے تھے، یہ سطحات مرتفع بے کار محض پڑی ہوئی تھین وہ نہ کسی قسم کا معاشرتی اور سیاسی اثر قبول کرتی تھین اور نہ ان کا کوئی اثر ان راستون پر پڑتا تھا، اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ عالم کے بعض نازک موقعون پر یہ قاعدہ کلیہ ایکبارگی ٹوٹ بھی گیا ہے، اس کی سب سے بڑی نمایان مثال ۶۳۳ء مین عرب کے مسلمانون کا شام پر اور ۷۶۰ء مین تبت کے بدھ مذہب والون کا وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑنا ہے، یہ دونون واقعے در اصل ان واقعات کی ایک کڑی ہین جو (اگرچہ شاذ ہی سہی) تاریخ عالم کے اکثر عہدون مین ان دونون سرزمینون مین واقع ہوتے رہے ہین،

ان دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی ہے، کہ اگر ان کے ایک طرف ناقابل گذار سطحات مرتفع ہین تو دوسری طرف سمندر کا ساحل ہے یہ سچ ہے کہ دونون کے سمندرون مین بہت فرق ہے، کیونکہ شام کے ساحل پر بحیرۂ روم ہے اور وسط ایشیا کے اس پہلو پر جنگل اور ریت کا ایک دریائے ناپیدا کنار واقع ہے، لیکن پھر بھی ایک طرح دیکھا جائے تو ان دونون سمندرون مین بھی مشابہت پائی جاتی ہے، دونون سمندر یعنی بحیرۂ روم اور وسط ایشیا کے جنگل انسان کیلئے کھلے ہوئے ہین، دونون اگرچہ مرور وعبور کے لئے مناسب ہین لیکن انسان ان مین بس نہین سکتا، دونون مین سوائے چند جزیرون اور نخلستانون کے کوئی جگہ ایسی نہین جہان انسان اپنا قدم جما کر تمدنی زندگی اختیار کر سکے، دونون سمندر سیر وسیاحت اور ارسال وانتقال کے لئے ان قطعاتِ ارض سے بھی کہین زیادہ موزون ہین جہان انسان مستقلاً آباد ہو گیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ دونون مین انسان کو ان شرائط کا پابند ہونا پڑتا ہے کہ "سفر کرتے ہوئے نکل جاؤ، ساحلون پر مناسب جگہ اپنے گھر بنا کر آباد ہو جاؤ، اور ان سمندرون مین قیام ومکان کا ارادہ نہ کرو"،

اس نظر سے اگر دیکھا جائے تو ان خانہ بدوش قبائل مین جو ہر سال گرمی اور سردی کے موسمون مین خاص

چراگاہون مین گھومتے پھرتے ہین، اور ماہی گیرون کی ان کشتیون مین جو سمندر مین خاص خاص موسمون مین ایک بندرگاہ سے دوسرے بندرگاہ کا گشت لگایا کرتے ہین، ان تجارتی بیڑون مین جو سمندر کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل پر مال پہونچاتے اور بار کرتے ہین، اور اونٹون کے اِن قافلون مین جو اس زمین مین ایک قطعہ کو دوسرے قطعے سے ملاتے ہین، بحری قزاقون اور ریگستانی لٹیرون مین اور ان صلیبی مجاہدون مین جو کشتیون مین سوار ہوکر ٹڈی دل کی طرح شام کے ساحل پر ٹوٹ پڑے تھے، اور سک، یوچی، ترک، افتالوی، اور مغل اقوام مین جو ان ہی ریگستانون اور جنگلون مین رہتے رہتے ایک مرتبہ اپنا راستہ بدل کر ابر و باد کے طوفان کی طرح ماوراء النہر اور دریائے تریم کی سرزمین کے مستقل رہنے والون پر ٹوٹ پڑے تھے، کوئی فرق نہین،

شام کی تاریخ بہیئت مجموعی اس قدر معروف ہے کہ وہان کے واقعات بیان کرنا تحصیلِ حاصل ہے لیکن اس کے برعکس وسط ایشیا کے راستے سے جو اثرات ایک تمدن کے دوسرے تمدن پر پڑے ہین، ان کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، اس وقت قدیم ترین تاریخ کے متعلق ہماری معلومات اِن دریافتون تک محدود ہین جو پمپلی[1] کی مہم نے مہیا کی ہین، اس مہم کے ارکین جنھون نے نہایت تندہی سے آناؤ (ANAU) کے نخلستان اور جیحون و سیحون کے دوآبہ کے جنوب مغربی حصہ کو جہان یہ سرزمین ایرانی سطح مرتفع سے ملتی ہے چھان ڈالا تھا، اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ تاریخی اناؤ اور قبل زمانہ تاریخ کے ایلم (ELAM) مین ایک گہرا تعلق ہے، انھون نے ثابت کیا ہے کہ اناؤ کی تمدنی جدوجہد کا ماحصل نقل مکان کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ مغرب کی طرف منتقل ہوا اور وہان سے آگے بڑھ کر اس نے یورپ کو مستفید کیا،

[1] R. PUMPELLY: EXPLORATIONS IN TURKESTAN PUBLISHED AT WASHINGTON, D.C. BY CARNJIE INSTITUTION, I EXPEDITION 1903 = PUBLICATION 26, 1905; II. EXPEDITION OF 1904 = PUBLICATION) 3, 1908, 2 Vols

اس کے بہت بعد اشکانی خاندان کی حکومت کے دوران یعنی چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط کے متعلق پروفیسر مائیکل راسٹوٹورڈزد (PROF. MICHEAL ROSTOUTZEW)[1] نے دکھایا ہے کہ کس طرح وسط مشرق کے علوم و فنون ماوراء النہر کے راستے سے ان ممالک مین پہونچے تھے جن مین آج کل گزک (KAZAK) قوم اور اس زمانہ مین سرماتی (SARMATIAN) قوم آباد تھی، اور کس طرح سرماتیون نے بعد کے زمانہ مین نقل مکان کے ذریعے سے ان تمام علوم و فنون کو وسط یورپ تک پہونچایا تھا،

مذکورہ بالا دو موقعون کے علاوہ وسط ایشیا کے اس تاریخی راستے نے تیسری مرتبہ اپنا فرض اس وقت ادا کیا جب سکندر نے اشکانی سلطنت کو برباد کیا اور یونانی تہذیب اس کی فوج کے ساتھ ساتھ وسط ایشیا مین داخل ہوئی اور وقتی طور پر وہان کی خاص ملکی تہذیب کو دبا دیا، اس وقت دریائے جیحون و سیحون کا دوآبہ وہ راستہ تھا جس مین سے ہوکر یونانی تہذیب شمال مغربی ہندوستان مین داخل ہوئی، اور کوہستان ہندوکش کے دونون جانب بدھوی اور یونانی تہذیبون کے اتصال و تصادم سے ایک نیا تمدن پیدا ہوگیا، اس کے بعد وسط ایشیا نے پھر ایک مرتبہ اپنا تاریخی فرض انجام دیا اور اسی راستے سے ہوتی ہوئی یہ بدھوی یونانی تہذیب مشرق بعید پہونچی چنانچہ اسٹین، لاکوق (Le Coq) اور دوسری محققون نے ثابت کیا ہے کہ دریائے تریم کے علاقہ اور ترفان (Turfan) کی نشیبی زمین کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تہذیب کس طرح رفتہ رفتہ آگے بڑھی اور مشرق بعید مین پھیلی،

یہ موقع بھی آخری موقع نہ تھا جس مین وسط ایشیا نے دنیا کی تاریخ مین ایک فیصلہ کن حصہ لیا ہو، تیسری صدی عیسوی سے جبکہ یونانی تہذیب وسط ایشیا سے رخصت ہونے لگی اور وہان کی تہذیب نے سرے سے تقویت حاصل کی، اس راستے نے یونانی رومی اور ہندوستان کی تہذیب کو مشرق بعید تک پہونچانے

[1] M. Rostoutzeu: Iranians & Greeks in South Persia Oxford 1922)

کا کام انجام دینا ترک کر دیا، مگر آخر مانوی، نسطوری اور اسلام کے مذاہب یکے بعد دیگرے اس سرزمین میں سے گذرے اور سمرقند سے ہوتے ہوئے چین کی شمالی مغربی سرحد تک پہونچے، اور اس کو اپنا گھر بنالیا،

اسی طرح خود ہمارے زمانہ میں بھی گذشتہ پچاس سال سے ماوراءالنہر یہی کام انجام دے رہا ہے، اس زمانہ میں یہ ملک سیاسی لحاظ سے روس کے زیر سیادت آگیا، روس سے ہوتے ہوئے یورپ کی تازہ ترین ایجادات اور مصنوعات بلکہ علوم و فنون وہان پہونچے، اور اس راستے کو ان کی وجہ سے ایک خاص اہمیت اور طاقت حاصل ہوگئی، کیونکہ بہرحال گذشتہ تمدنون کے مقابلے میں موجودہ تمدن کہین زیادہ مفید ہے، چنانچہ اس کا اثر اب تک یہ ہوا ہے کہ قافلون کے تین زبردست راستون کی جگہ ماوراے سائبیریا ٹرانس سائبیریا ریلوی، تاشقند اورنبرگ ریلوی اور ماوراے قزوین ٹرانس کیسپین ریلوی نے لے لی ہے، آج کل افریقہ کے صحرا اعظم میں جو تجربے اہل فرانس موٹر کارون کے متعلق کر رہے ہین، وہ اگر کامیاب ثابت ہوجائین، اور ان کو اس سرزمین میں استعمال کیا جائے تو بہت سے ایسے ریگستانی علاقے انسان کیلئے قابل آمد و رفت ہوجائینگے جن مین اس وقت اونٹ بھی بدقت سفر کر سکتے ہین، مگر تاریخ عالم کے ڈرامے کا یہ آخری سین اب تک مکمل نہین ہوا چونکہ روسی انقلاب نے اس ملک کے مسائل میں عجیب و غریب مسائل کا اضافہ کیا ہے، لیکن یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہین کہ اگر روسی سیاست، ہتھیار، تجارت اور علوم و فنون، ایران، افغانستان، ہندوستان، چین یا تبت کی تاریخ پر کوئی بین اثر پیدا کرین تو اس اثر میں وسط ایشیا کا وہی حصہ ہوگا جو اس سے قبل تاریخ عالم میں وہ لیتا رہا ہے،

مذکورۂ بالا واقعات غالبًا وہ تمام بڑے بڑے واقعات ہین جنھین شام کے علاقے کی طرح دریاے جیحون و سیحون کے علاقے نے تاریخ عالم پر اپنا اثر ڈالا اور ایک تمدن کو دوسرے تمدن سے ملا دیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ واقعات کے لحاظ سے شام اور وسط ایشیا میں مشابہت ہے، مگر پھر بھی ان میں بے انتہا مغائرت پائی جاتی ہے، شام نے صرف یہی نہین کیا کہ دوسرے تمدنون کے عبور و مرور

کے راستہ صاف کر دئے بلکہ تاریخ عالم مین بعض مرتبہ بجاے محض راستہ کا کام دینے کے اس نے خود اپنا ایک نیا تمدن قائم کیا، مثلاً ۲۲۵ء، ۱۲۵ ق م کی خانہ بدوشانہ حالت اور اشکانی سلطنت کے قیام کے درمیان جو چھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے، اس دوران مین شام نے حروف تہجی اور بجرا و قیانوس دریافت کئے، اور خداے لایزال کا وہ عظیم الشان تخیل پیدا کیا، جو یہودیت، نصرانیت، اسلام و پارسی مذہب مین اس وقت تک مشترک طور پر پایا جاتا ہے، اور جو یونانی، مشرق بعید اور ہندوستان کے تخیل سے بالکل جدا ہے، ان اختراعات و ایجادات کے مقابلہ مین وسط ایشیا کچھ بھی پیش نہین کر سکتا، اس ملک نے یہ کام تو بخوبی انجام دیا کہ دوسرے تمدنون کے لئے راستہ بن جائے اور ان کو آپس مین ملاتا رہے، مگر وہ خود کبھی اس قابل نہین ہوا کہ خود ایک نیا تمدن قائم کر کے اس کے اثرات کو گرد و پیش کے علاقون مین پھیلائے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شام کے مقابلے مین وسط ایشیا کیون ناکامیاب رہا، اس سوال کا جواب دینے کیلئے بہترین بات یہ ہے کہ ان موقعون پر غور کیا جائے جب یہ علاقہ ایسا تمدن پیدا کرتے کرتے ناکامیاب ہوا، تو یہ دیکھا جائے کہ ہر موقع پر اس کی ناکامیابی کے کیا اسباب ہوئے،

ایسے دو موقعے اس سے قبل وسط ایشیا کی تاریخ مین آچکے ہین، پہلا ۶۵۱ء مین پیش آیا، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عربون نے ساسانی سلطنت کو برباد کر کے اس کے تمام علاقون پر قبضہ کر لیا تھا، مگر ابتک دریاے جیحون و سیحون کی خودمختار ریاستون پر حملہ کرنے کا ارادہ نہین کیا تھا، اس سرزمین کیلئے یہ نہایت ہی نادر موقع تھا، مگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اور آخر ۷۴۱ء مین یہ موقع ہمیشہ کیلئے اس وقت رخصت ہوگیا، جب کہ عربون نے طخارستان اور ماوراءالنہر کو مستقل طور پر خلافت امویہ کا ایک حصہ بنا دیا، اور وسط ایشیا کی خودمختاری سلب کر لی،

دوسرا موقعہ اس سے بالکل مختلف حالات مین چودھوین صدی عیسوی کے وسط مین پیش آیا جب کہ **چنگیز خان** کے چغتائی خاندان نے آخر اسلام قبول کر لیا، یہ موقع ان کو ۱۳۵۰ء تک حاصل رہا،

اوراس وقت ہاتھ سے نکلا جب آخر کار بابر نے کوہستان ہندوکش کے شمالی علاقہ کو جو ورانتہ
ملنا چاہیے تھا ازبکون کے قبضہ مین چھوڑدیا اور اس سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہوگیا، ہمارت لئے بہتر ہو
کہ ان دونون موقعون پر الگ الگ بحث کرین،

ب سنہ ۶۵۱-۷۴۱ء

بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ مین عربی حکومت کا مرکزی علاقہ شمال سے ذرا مغرب کی جانب
بحر ہند سے کوہستان طارس تک تھا، اور اسی علاقہ مین مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور دمشق کے شہر شامل
تھے، یہ مرکزی علاقہ تقریباً ۶۳۶ء مین انطاکیہ کی فتح کے بعد قائم ہوگیا تھا، اور اسی مرکز سے عربون کی فتو
دونون سمتون مین بڑھنی شروع ہوئی تھین، چنانچہ ایک طرف کو عرب مصر مین سے ہوتے ہوئے بحیرۂ رو
کے مغربی اور جنوبی ساحلون کی سمت کو بڑھے اور دوسری طرف انھون نے عراق مین سے ہوتے ہوئے ای
کی سطح مرتفع کو طے کیا اور آخر وسط ایشیا کے جنگلون تک پہونچے، یہ فتوحات بڑھین اور دونون سمتون مین
شمال کی طرف مائل ہوتی گئین، یہان تک کہ اگر ایک لکیر کھینچی جائے تو ۷۱۱ء تک ان فتوحات سے ای
زبردست ہلال بنگیا تھا جس کے مرکز مین دمشق واقع تھا، اور جسکی ایک شاخ شمال مغرب مین
کوہستان پیرنیز سے آگے بڑھ گئی تھی، اور دوسری شمال مشرق مین ایرانی سطح مرتفع کی حد سے آگے نک
گئی تھی، ۷۱۲ء مین دنیا کے سامنے یہ مسئلہ پیش تھا کہ عربون کی فتوحات کا سلسلہ ان دونون اطراف م
آگے بڑھیگا یا یہین رک جائیگا، چونکہ دونون سمتون مین عرب نہ صرف ایک خاص جغرافیائی حد تک
پہونچ گئے تھے بلکہ انھون نے اس حد کو عبور کرلیا تھا، اور اسی طرح ان کے سامنے اس وقت دو نئی د
فتح کے لئے کھل گئی تھین، ان مین سے ایک دنیا ماوراء کوہستان پیرنیز اور کوہستان الپس واقع تھی
جس مین سات یا آٹھ صدی قبل رومی تہذیب وتمدن کا ایک موہوم سا پرتو پڑا تھا، اور دوسری طرف
دریائے جیحون وسیحون کی وادی تھی جسمین اس وقت تک وسط ایشیا کی تہذیب کا تھوڑا بہت وہ اثر با

اور لشکری مذاہب کی شکل مین اب تک موجود تھا جو اس نے گذشتہ پانچ صدیون کے دوران مین اس
تہذیب کے وسط ایشیا سے چین کی طرف منتقل کرنے مین حاصل کرلیا تھا، اور اس کے علاوہ ہندی تہذیب
کے اثرات بھی اس علاقہ مین باقی تھے، چونکہ یہ تہذیب بھی اس علاقہ مین سے ہوکر بدھ مذہب کی شکل مین
چین پہونچی تھی، ۷۱۲ء مین یہ بات بالکل غیر متیقن تھی کہ عرب ان دونون اطراف مین اپنے قدم جماکر ایک
یا دونون سمتون مین آگے بڑھنے کی کوشش کرین گے یا دونون یا ایک طرف چند ناکام جارحانہ کارروائیون کے
بعد حالت ماسبق پر قانع ہوجائین گے، اور یا بالآخر دونون سمتون مین ہمسایہ دشمن متفق ہوکر عربون کے
خلاف جارحانہ کارروائیون مین کامیاب ہوجائین گے اور اس طرح وہ علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائین گے
جو اس سے ذرا قبل خلافت مین شامل کئے گئے تھے،

اس سے قبل کہ ہم یہ ظاہر کرین کہ عربون کو ان دونون اطراف مین کس قدر کامیابی یا ناکامی سے
سابقہ پڑا ضروری ہے کہ دونون سمتون کی جغرافیائی مشابہت کو ظاہر کردیا جائے، بنی امیہ کی خلافت کا
اصل مرکز اگرچہ شام مین دمشق کے مقام پر تھا، مگر اس کے علاوہ دو نہایت ہی سرسبز وشاداب زمینون
مین ان کے الگ الگ دو ثانوی مرکز بھی قائم تھے، ایک اندلس مین اور دوسرا عراق مین، اور ان دونون
مقامات سے فوجون کو بے انتہا کمک اور رسد پہونچ سکتی تھی، ان دونون مرکزون سے چل کر عربون کو دو
مقابلۃً غیر آباد اور دشوار گذار سطحات مرتفع مین سے گزرنا پڑتا تھا، ایک طرف کسٹائل کی سطح مرتفع تھی اور
دوسری طرف ایران کی، زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان دونون راستون کے دونون جانب ایسے علاقونکی
ایک تنگ نائی تھی جس کو اب تک فتح نہین کیا گیا تھا، اور اس لئے یہ علاقے عربون کے لئے خطرہ سے خالی
نہ تھے، اندلس مین ملک کے قدیم مالک کوہستان اسٹوریا اور خلیج بسکے کے جنوبی ساحل کے درمیانی علاقے
مین اب تک برسر پرخاش تھے، اور اسی طرح ایران کے پرانے زردشتی حکمران اسی قسم کے مگر اس سے زیادہ
وسیع علاقے یعنی کوہستان البرز اور بحیرۂ خزر کے ساحل کے درمیانی زمین پر اب تک قابض اور عربون

سے برسرپیکار تھے، یہ دونون غیر مفتوحہ علاقے عربون کے لئے تین وجہ سے خاص طور پر خطرناک تھے، ایک تو یہ کہ [illegible]
نہایت طویل اور غیر محفوظ پہلو پر واقع تھے، دوسرے دونون کوہستانی علاقے تھے جن مین جفاکش اور آزادی
پسند اقوام آباد تھین، اور اس صورت مین ان کو مکمل طور سے فتح کرنا اور قابو مین رکھنا اگر بالکل ناممکن
نہین تو مشکل ضرور تھا، لیکن سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ اگرچہ یہ دونون علاقے ہر طرف سے
دوسری طاقتون سے گھرے ہوئے تھے، مگر پھر بھی باسانی اپنے ان ہم مذہبون کے ساتھ سمندر کے ذریعہ
سے رسل ورسائل کا سلسلہ قائم رکھ سکتے تھے، جو ان علاقون کے پار آباد تھے، اب تک بالکل خود مختار تھے
اور عربون کو ان پر کسی قسم کی سیادت حاصل نہ تھی،

یہ دونون علاقے ایک طرف شمال مغربی یورپ کے ملک تھے اور دوسری طرف دریاے جیحون و سیحون
کا دوآبہ طبعی لحاظ سے ان دونون پر نہایت آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا تھا اور مفتوحہ سطحات مرتفع کی نسبت ان
دونون پر قبضہ کرنا زیادہ مفید بھی تھا چونکہ دونون علاقے نشیب مین واقع تھے، دونون سرسبز تھے اور دونون
مین بڑے بڑے شہر آباد تھے، گرد و نواح کے حالات کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی حالات نہایت اہمیت
رکھتے تھے، اور ان حالات کے لحاظ سے بھی ان دونون علاقون مین ایک عجیب و غریب مشابہت
پائی جاتی تھی، فرانس کی آبادی رومی تہذیب کے اثرات کافی طور پر قبول کر چکی تھی، اور عیسائی تھی مگر
پانچوین صدی عیسوی کے شروع مین شمالی یورپ کی وحشی اقوام یعنی اہل برگنڈی اور فرینگ قوم نے ان
کو اور ان کی سرزمین کو بالکل تہ و بالا کر ڈالا تھا، اسی طرح دریاے جیحون و سیحون کے دوآبہ مین ایرانیون یا
ایسے لوگون کی آبادی تھی جنھون نے ایرانی تہذیب کے اثرات کو قبول کر لیا تھا، وہان بدھوی، نسطوری اور
زردشتی مذاہب کے مختلف اثرات پڑے تھے، مگر اس علاقے کو بھی پانچوین صدی عیسوی کے آغاز مین یورپشیائی
خانہ بدوش اقوام یعنی افتالویون اور ترکون نے تہ و بالا کر ڈالا تھا، اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات
یہ ہے کہ ان دونون سرزمینون کے باشندون کے طبقات کی حالت بھی یکسان تھی، دونون علاقون مین

اصلی آبادی نے ایک حد تک اپنے وحشی مالکون کے اثرات کو قبول کر لیا تھا، اور خود بھی تھوڑے بہت
وحشی ہو گئے تھے مگر پھر بھی تعداد کی زیادتی اور تہذیب کی خوبی کی وجہ سے یہ وحشی حاکم بھی ان کی طرف مائل
ہو کر ان کے شاگرد بن گئے تھے، دونون علاقون مین ایک مشابہت یہ بھی تھی کہ اصلی باشندون نے
اپنے وحشی حاکمون کو اپنے مذہب مین داخل کر لیا تھا، اور اس طرح ان کے دل و دماغ کو عرب حملہ آورون
کے مقابلے کیلئے بالکل طیار کر رکھا تھا،

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ۱۲۱ھ مین عربون کی پیش قدمی کے دونون علاقے ایک دوسرے
سے بالکل مشابہ تھے، اور بارہ سال تک دونون جگہ جنگ کی حالت بھی یکسان رہی، دونون مقامات مین
عربون کو ایسی اقوام سے سابقہ پڑا جنھون نے ان کا ایسا مقابلہ کیا کہ اب تک کسی نے نہ کیا تھا، ۱۱۳ھ
کے شروع مین عربون نے جنگ شعب مین شکست کھائی[1] جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۳ھ تک دریاے جیحون کے پار
سوائے تین قلعون کے تمام علاقہ ان کے قبضے سے نکل گیا، اور اسی طرح طخارستان مین بھی صرف دو یا تین
قلعے ان کے ہاتھ مین رہ گئے، عین اسی زمانہ مین انھون نے تورس کی جنگ مین شکست کھائی، جسکی وجہ سے
انھین فرانس چھوڑنا پڑا، باوجود انگستون اور مایوسیون کے یہ یقینی تھا کہ دونون علاقون پر آخر کار قبضہ
کیا جا سکتا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا بھی یقین ہو چکا ہے کہ جب تک لگاتار اور مستقل کوشش نہ کی جائیگی اور
بہت سی جانون کی قربانی نہ ہوگی فتح ناممکن الحصول ہے، دونون علاقون کی حالت یکسان نہ رہی، ایک
طرف تو عربون نے جنگ تورس کو بالکل فیصلہ کن مان لیا اور اس کے بعد شمال مغربی سرحد پر مزید فتوحات
حاصل کرنے کی بجائے وہ برابر کچھ نہ کچھ کھوتے رہے، دوسری طرف یہ ہوا کہ شمال مشرقی سرحد پر اگرچہ حالت
بالکل یاس انگیز تھی مگر یکبارگی صورت حالات بدل گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صرف نو برس کے عرصے مین
۱۲۲ھ تک دریاے جیحون و سیحون کی تمام وادی مستقلاً سلطنت اسلام مین شامل کر لی گئی،

[1] اس جنگ کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو طبری، جلد سوم صفحہ ۱۵۳۲ الخ (مطبوعہ یورپ) (مترجم)

یہان یہ ضروری نہین کہ دونون سرحدون پر عربون کی فتح وشکست کے نتیجون پر غور کیا جائے، اور یہ دکھایا جائے کہ بنی نوع انسان کی آئندہ تاریخ پر ان کے کیا کیا اثرات واقع ہوئے، بقول گبن شمال مغربی سرحد پر جبل طارق سے لیکر دریائے لائر کے کنارون تک ایک ہزار میل کا علاقہ مسلمانون نے فتح کر لیا تھا، اگر اس کے بعد وہ اتنا ہی وسیع علاقہ اور فتح کر لیتے تو پولینڈ اور سکاٹ لینڈ کی سطحات مرتفع تک پہونچ جاتے، پھر دریائے رائن فرات اور نیل کے مقابلہ مین زیادہ ناقابل عبور نہین اور عربون کے بیڑے اس مین ہوکر بلا کسی بحری مزاحمت کے دریائے ٹیمز تک پہونچ جاتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اس وقت آکسفورڈ کے مدرسون اور کالجون مین قرآن کے درس ہوا کرتے اور وہان کے استاد آنحضرت صلعم کی نبوت پر بحث کرنے مین مشغول پائے جاتے

گبن کے اس قول مین اس بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، کہ ایسی فتوحات کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عرب بلا شرکت غیرے بحر اوقیانوس کے مالک ہو جاتے اور اس طرح امریکہ کا براعظم بھی ان کے دست تصرف مین آجاتا چونکہ شمال مشرق مین عربی فتوحات سے جو نتیجے مرتب ہوئے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام قیاسات محض بے کار نہین، یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ جنگ ٹورس کی شکست کی وجہ سے مسلمانون نے امریکہ کو کھو دیا

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، کہ نصر بن سیار اور اسد بن عبد اللہ القسری کی معاملہ فہمی اور حکمت عملی نے چند سال کے اندر مسلمانون کیلئے ایسا دروازہ کھول دیا جس سے ہوکر وہ بہت جلد دریائے والگا (The Volga) دریائے اڈش (The [illegible]) اور دریائے ہونگ ہو (The Hoang Ho) کے کنارون پر اپنے قدم جمانے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کے قابل ہوگئے، شمال مشرق مین جو واقعات پیش آئے، ان کو دیکھتے ہوئے ہم بآسانی اندازہ کر سکتے ہین کہ اگر ۷۳۲ء اور ۷۴۰ء کے درمیان مین فرانس کا وہی حشر ہوتا جو اس عرصہ مین ماوراء النہر کا ہوچکا تھا تو وہان کیا کیا تبدیلیان واقع ہوتین جس طرح بحیرۂ خزر کے زردشتی ماوراء النہر کی فتح کے بعد بلا چون وچرا ہتھیار ڈال کر مسلمانون کے محکوم ہوگئے، اسی طرح استوریا کے عیسائی بھی بے دست و پا ہوکر مطیع ہوجاتے، کیونکہ اس حالت مین وہ چارون طرف سے عربی حکومت سے گھر گئے ہوتے اور فرانس کے

عیسائی پارسیون کی طرح ایک بڑی تعداد مین اسلام قبول کر لیتے ایسی صورت مین بالکل ظاہر ہے کہ استوریا کی تمام مقاومت ومزاحمت بالکل بے کار محض ثابت ہوتی، اور وہ بھی دیلم طبرستان اور جرجان کے باشندون کی طرح نوین اور دسوین صدی عیسوی مین مسلمان ہوجاتے یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی استوریا کے کوہستانی دسوین اور گیارہوین صدی مین اپنے پہاڑون سے نکل کر سطح مرتفع کے دامن پر ترک تازیان شروع کر دیتے، مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تحریک حقیقت مین عربی حکومت کی معاشرتی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوتی اور مذہب کا اس مین کوئی دخل نہ ہوتا کیونکہ ایران مین دیلم کے مسلمان باشندون نے عرب حکومت کے خلاف عین اسی وقت شورش برپا کی تھی جب کہ اندلس مین استوریا کے باشندے جرأت کر کے مسلمانون پر حملہ آور ہوئے تھے انجام کار مذہب نے دونون علاقون کی تاریخ مین ایک مین فرق پیدا کر دیا، بنی بویہ نے جب اسلامی علاقہ فتح کیا تو دار الاسلام کے رقبہ مین کوئی کمی واقع نہین ہوئی، اسی وجہ سے مسلمانون نے بنی بویہ کا اتنا سخت اور خون ریز مقابلہ بھی نہین کیا جتنا اہل استوریا کا کیا، اسی وجہ سے بنی بویہ کی فتوحات جلد ہی مکمل ہوگئین، اور دنیا مین بہت کم عرصہ تک قائم رہین، انھون نے شمال مشرقی سرحد کی طرف اسلام کی روز افزون ترقی مین رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش نہین کی اسی طرح اہل استوریا اگر مسلمان ہو جاتے تو وہ فرانس اور جرمنی سے سکنڈے نیویا، پولینڈ اور ہنگری مین اسلام کے پھیلنے کی کوئی مدافعت نہ کرتے،

اس کے برعکس، دیکھا جائے تو جو کچھ شمال مغربی سرحد پر ہوا وہی شمال مشرقی سرحد پر ہوتا اگر مسلم بن قتیبہ کی فتوحات کو اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار بالکل مستحکم اور مستقل نہ کر دیتے، ۷۳۲ء مین فرانس کی تسخیر کے متعلق عربون نے جو کمزوری دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرنگ قوم اہل استوریا سے متحد ہوگئی، اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہوگیا کہ آئندہ عیسائیون کی طرف سے مغرب مین استوریا کو مسلمانون کے خلاف جنگی محاذ قرار دے لیا جائے، چنانچہ بظاہر شارلمین کی جنگی مہم جس کا انجام ۸۰۱ء مین رونسس ولز پر ہوا، کا اصلی مقصد یہی تھا، اور باوجود اس وقت کی ناکامی کے یہ مقصد ۸۱۱ء تک حاصل کیا جا چکا تھا، چونکہ اس سال شارلمین کی اسپینی سرحد بارسلونہ

سے آگے تک پہونچ چکی تھی، اس کے بعد اسٹوریا کا مقامی فوجی محاذ تمام مغربی عیسائیت کا محاذ بن گیا، اور اسی وقت سے اپنی سرحد کی سیادت مسلمانون کے ہاتھ سے نکل کر اہل یورپ کے قبضہ مین آگئی، اگر تمام واقعات کو اسی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آئندہ ساڑھے چار صدی کی جنگون مین کوئی بات قابل تعجب نہین رہجاتی، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جو واقعہ [illegible] مین شروع ہوا تھا اس کا انجام ۱۲۳۵ء مین قرطبہ کی فتح اور سوائے غرناطہ کے تمام ملک سے مسلمانون کا بے دخل ہوجانا تھا،

اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ اگر مسلمانون کو وہی حالات ایران مین پیش آتے جو ان کو یورپ مین پیش آئے تو اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے، اگر اسد بن عبد اللہ القسری اور نصر بن سیار مستقل طور پر ماوراء النہر کے علاقے کو اسلامی سلطنت مین شامل نہ کر لیتے تو مسلمانون کے لئے آخر خراسان کو مدت تک قابو مین رکھنا تقریباً ناممکن ہوجاتا، اور اغلب یہ ہے کہ آئندہ نصف صدی ہی مین سغد اور طخارستان کی خود مختار ریاستین اس طرف کے جنگلون کی دوسری خانہ بدوش اقوام سے مدد حاصل کر کے عربون کو جنوب مغرب کی طرف پیچھے ڈھکیل دیتین، انھین دامغان اور بحیرۂ خزر کے ساحلون کو چھوڑنا پڑتا اور اس وقت دشت لوط دار الاسلام کی شمال مشرقی سرحد قرار پاتا، اگر ایسا ہوتا تو تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ اس وقت ماوراء النہر مختلف تہذیبون اور تمدنون کا محض ایک راستہ رہنے کی بجائے خود ایک نئی تہذیب کا مرکز بن جاتا، یورپ کی نئی تہذیب جو فرانس مین آٹھوین صدی عیسوی مین شروع ہوئی، جو اب تک برابر ترقی کر رہی ہے، اور جس نے اب تقریباً تمام دنیا کو گھیر لیا ہے، اس حالت مین وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی ہم عصر ہوتی، اور اسلامی سلطنت کی بربادی اور تباہی کے بعد ان دونون کا کہین نہ کہین اتصال و تصادم ضرور ہوتا،

اس وقت اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ وسط ایشیا کی یہ قرین قیاس تہذیب کیا شکل و صورت اختیار کرتی کیونکہ قبل اس کے کہ وہان کوئی نئی تحریک پیدا ہو، اسلامی فتوحات نے تمام توقعات پر پانی پھیر دیا، ممکن ہے کہ بدھوی نسطوری اور زردشتی مذاہب مین تصادم ہوتا اور ہر ایک مذہب تبلیغ کی انتہائی کوشش

کرتا، مگر قیاس بھی نہین کیا جاسکتا کہ اس تصادم کا آخری نتیجہ کیا ہوتا، زردشتی مذہب کو بحیرۂ خزر کے صوبجات سے نئے سرے سے تعلقات پیدا ہوجانے اور ایرانی سطح مرتفع کی طرف بڑھنے کی وجہ سے، ضرور کچھ نہ کچھ تقویت حاصل ہوتی، لیکن دوسری طرف، یوریشیا کے میدانون اور دریائے تریم کی وادی مین زردشتیون کے بالمقابل بدھوی اور نسطوری مذاہب کے پیروؤن کا زور تھا، ان اثرات کے علاوہ، جون جون چین اور ہندوستان سے تعلقات بڑھتے جاتے دوسرے اثرات بھی اپنا کام کرتے اور ممکن ہے کہ اس علاقہ مین ایسا ہی ایک ملا جلا مذہب پیدا ہوجاتا جیسا کہ قیصر جولین نے یونانی رومی سلطنت مین پیدا کرنیکی کوشش کی تھی اور جیسا کہ اسوقت بھی چین اور ہندوستان مین مروج ہے، مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایسے مختلف النوع اثرات کے ہوتے ہوئے اس تہذیب کے متعلق کسی قسم کا اندازہ کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن یہ بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ وسط ایشیا کی اس نئی تہذیب کی جغرافیائی وسعت کی منزلین کیا ہوتین، ہر حال مین یہ بات یقینی ہے کہ دشت لوط اس کی آخری سرحد نہ ہوتا، کیونکہ اس علاقے کے ساتھ ساتھ شمال مین طبرستان اور دیلم کے علاقے موجود ہین اور یہ علاقے جیسا کہ اوپر کے تمام بیان سے ظاہر ہے ضرور وسط ایشیا کی تہذیب مین شامل ہوجاتے، ایسی حالت مین دسوین صدی عیسوی مین جب بنو بویہ دیلم سے ایران کی سطح مرتفع پر حملہ آور ہوتے تو ان کا مذہب بجائے اسلام ہونے کے زردشتی ہوتا، ان کی فتوحات بجائے اسلامی فتوحات ہونے کے مسلمانون کو نقصان پہونچاتین، اور دار الاسلام کا رقبہ کم ہوجاتا، اس کے بعد وسط ایشیا کی توسیع یقینی طور پر جاری رہتی، اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہونچاتی، اگر مسلمان عراق اور خصوصاً بغداد کو کافر بویہ سے اس وقت بچا بھی لیتے تو ان کافرون کا کام نسطوری یا زردشتی سلجوق مکمل کر دیتے، کیونکہ اس عرصہ مین وسط ایشیا کی تہذیب مستقل طور پر دار الاسلام اور یوریشیا کی سرزمین کے درمیان حائل ہوجاتی اور [illegible] مین جو خانہ بدوش اقوام نقل مکان کے ذریعے سے وسط ایشیا پر ٹوٹ پڑی تھین، وہ چین کی تہذیب سے متاثر ہوچکی ہوتین اور اس وقت اسلامی سرزمین مین دشمن کی حیثیت سے داخل ہوتین، نہ کہ دوست کی حیثیت سے، یہ سب کچھ "ہو سکتا" تھا، مگر حقیقت مین ہوا یہ کہ سلجوقیون

کو جیحون و سیحون کے میدان ہی مین اسلام سے سابقہ پڑا اور اُنھون نے اس مذہب کو قبول کرلیا اس کے

وہ برابر آگے بڑھتے چلے گئے، اسلام کو بجائے نقصان پہونچنے کے ان سے فائدہ پہونچا، اور آخر یہ "طوفان" اناطو

کی سرزمین بازنطینی تہذیب کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوا، اس کے بجائے اگر ہم یہ تصور کرلین کہ سلجوقی

ماوراء النہر مین کسی غیر اسلامی مذہب کو قبول کرچکے تھے، تو اس صورت مین اِن کے ہاتھون اسلامی تہذیب کا

بعینہ وہی حال ہوتا جو بازنطینی تہذیب کا ہوا، قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ایسی حالت مین مسلمانون پر کیا کیا

مصیبت نہ پڑتی،

(باقی)

سیرۃ النبی

جلد سوم،

جس کے مقدمہ مین اولاً نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن

کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ

عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، اور پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے

بعد ازین وہ ہین جو سند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزونکی غیر معتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور آخر مین وہ بشارات نبو

ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین اور جن کے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور اخیر مین خصائص

کا باب ہے،

قیمت درجہ اوّل عہ/ قیمت درجہ دوم ۳ /

تقطیع کلان تعداد صفحات ۶۱۸،

"منیجر"

تذکرۂ گلزار اعظم فارسی،

اور

جنوبی ہند کے چند فارسی تذکرے

از

مولوی محمد محفوظ الحق صاحب ایم اے، لکچرر عربی و فارسی پریسیڈنسی کالج، کلکتہ،

مارچ ۱۹۲۵ء کے معارف مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی (مولفہ نواب محمد غوث بہادر اعظم) پر مولوی

سید فضل الرحمٰن صاحب کا مضمون نظر سے گذرا، اور گو اس امر کی خوشی ضرور ہوئی کہ جنوبی ہند کے ایک تذکرہ

کا حال خود اسی خطہ کے ایک صاحب نے تحریر فرمایا، لیکن افسوس اس امر کا ہوا کہ مضمون نگار صاحب کو چند جگہ

سہو ہوا ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے، چنانچہ سطور ذیل مین انکی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، اور ضمن مین جنوبی ہند

کے اور تذکرون کا بھی ذکر آگیا ہے، جو مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے غالباً ناموزون خیال نہین کیا جائیگا،

مولوی صاحب جنوبی ہند مین فارسی شاعری کی ترقی کا حال بیان کرنے کے بعد تذکرۂ گلزار اعظم کا

ذکر ان الفاظ مین فرماتے ہین:-

"خاکسار کے کتب خانہ مین تذکرۂ گلزار اعظم فارسی کا قلمی نسخہ موجود ہے، ...... مائٹل پیج کے دیکھنے

سے معلوم ہوتا ہے، کہ طباعت کے واسطے مسودہ تیار کیا گیا تھا، لیکن کسی خاص نامعلوم وجہ سے طباعت

کی نوبت نہین آئی کاتب کا نام عبد الصمد تحریر ہے اور اس نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے

اپنے کمال کو ظاہر کیا ہے، گویا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطبع سے ابھی چھپکر شائع ہوئی ہے، کتاب

کی تکمیل ۱۲۷۲ھ کے پہلے یا ابتداے سنہ مین ہوئی ہوگی،

مندرجہ بالا اقتباس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ گلزار اعظم ابھی تک "قلمی" ہے اور طباعت کیلئے

جو نسخہ تیار کیا گیا تھا، وہ چھپا نہین، لیکن یہ دونون باتین صحیح نہین، تذکرۂ گلزار اعظم چھپ چکا ہے اور نایاب نہین، گو کمیاب ضرور ہے، اور میری بدگمانی معاف ہو تو مین یہی عرض کرون گا کہ مولوی صاحب کا نسخہ بھی "قلمی" نہین، بلکہ "مطبوعہ" ہے، اور اس کے لئے میرے حسب ذیل وجوہ ہین:-

(۱) تذکرۂ گلزار اعظم (جو خود مولف تذکرہ کے مطبع مین چھپا ہے) کی طباعت واقعی ایسی ہوئی ہے کہ بادی النظر مین قلمی ہونے کا دھوکہ ہو سکتا ہے،

(۲) مطبوعہ تذکرہ مین بھی جس کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے، کاتب کا نام عبد الصمد تحریر ہے،

(۳) "مطبوعہ" نسخہ اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے صفحات بالکل ملتے ہین، چنانچہ جن صفحات کا انھون نے اپنے "مفروضہ قلمی" نسخہ سے حوالہ دیا ہے وہ میرے "مطبوعہ" نسخہ سے بالکل متحد ہے،

(۴) مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "تذکرہ کی تکمیل ۱۲۷۲ھ کے پہلے یا ابتداے سنہ مین ہوئی ہوگی" اس بیان سے غالباً مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ۱۲۷۲ھ مین نسخہ طباعت کے لئے تیار کیا گیا تھا، یہ بیان صحیح ہے، کیونکہ میرے پیش نظر "مطبوعہ" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی سنہ طباعت ۱۲۷۲ھ موجود ہے، اور مولوی صاحب کے "مفروضہ قلمی" نسخہ کے ٹائٹل پر بھی یہی سنہ درج ہے،

ان وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ مولوی صاحب کا نسخہ "گویا مطبع سے ابھی چھپکر" شائع نہین ہوا ہے بلکہ واقعی مطبوعہ ہے، کیا مین امید رکھون کہ مولوی صاحب اس امر پر مزید روشنی ڈالین گے؟

اس تمہید کے بعد اب مین ایک دوسرے امر کی تصحیح کی طرف متوجہ ہوتا ہون اور یہان بھی خود مولوی صاحب کی عبارت نقل کرنا مناسب سمجھتا ہون، مولوی صاحب تحریر فرماتے ہین:-

"کتاب کی تصنیف کا کام ۱۲۶۸ھ مین شروع ہوا ہے، ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت:-

"در سال یکہزار و دوصد و شصت و ہشت ہجری نبوی تجویز تذکرۂ شعراے کرناٹک بالتزام تسطیر غزلیات ہر یکی فی انتخاب پرداختہ بودم و شام غربت تمناے الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ اوان باز

متمکن خاطر بود...... کہ اگر زمانہ فرصت دہد...... تذکرۂ تازہ با انتخاب اشعار شعراے مصدر بتفصیل سنظری از احوال کسب استعداد و لیاقت..... تحریر نمایم"

عبارت بالا سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ گئی ہے کہ ایک تذکرہ شعراے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے، لیکن افسوس کہ وہ اب تک ہماری نظر سے نہین گذرا، بہرحال یہ تذکرہ گلزار اعظم بقینا ۱۲۵۸ھ کے بعد ہی شروع کیا گیا اور ۱۲۵۹ھ مین مکمل ہو گیا"

مندرجہ بالا اقتباس مین مولوی صاحب کو چند جگہ سہو ہوا ہے:-

اول تو یہ کہ بقول ان کے تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا کام ۱۲۵۸ھ کے بعد ہی شروع ہوا، حالانکہ یہ سنہ تذکرہ گلزار اعظم کی تالیف کا نہین (کیونکہ اس کی تالیف دس سال بعد ۱۲۶۸ھ مین شروع ہوئی) بلکہ وہ نواب محمد غوث بہادر کے اول الذکر تذکرہ یعنی **تذکرۂ شعرای کرناٹک** کی تالیف کا سنہ ہے چنانچہ خود مؤلف کی منقولہ بالا عبارت اس پر دال ہے،

دوسرے یہ کہ مولوی صاحب فرماتے ہین کہ "ایک اور تذکرہ شعراے کرناٹک کے حالات مین لکھنے والے تھے" یہان مولوی صاحب کو خود مولف کی عبارت کے سمجھنے مین سہو ہوا ہے، مولف کے "پرداختہ بودم" سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شعراے کرناٹک کا "تذکرہ لکھنے والے" نہین تھے بلکہ گلزار اعظم سے پہلے "لکھ چکے" تھے پھر یہ کہ خود منقولہ بالا عبارت مین اس تذکرہ کا نام بھی موجود ہے، چنانچہ اس رنگین عبارت یعنی "و شام غربت تمناے الفت پرستان سخن را بصبح وطن مبدل ساختہ" کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہین کہ مولف نے اُس تذکرۂ شعرائی کرناٹک کا نام "صبح وطن" رکھا تھا،

تذکرۂ شعراے کرناٹک جس کا اصلی نام "صبح وطن" ہے چھپ کر شایع ہو چکا ہے، اور اس کا مطبوعہ نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے، چونکہ اس تذکرہ کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے، اس لئے بعض ضروری امور کا بیان غالباً دلچسپی کا باعث ہوگا،

تذکرۂ "صبح وطن" نواب محمد غوث بہادر کا پہلا تذکرہ ہے، سنہ ۱۲۵۸ھ مین مرتب ہوا اور سنہ ۱۲۵۹ھ مین مدراس
سے چھپکر شایع ہوا، اس کی تالیف کا باعث ایک اور تذکرہ ہے جس کا نام "گلدستہ کرناٹک" ہے، اس آخر الذکر
تذکرہ کا مولف علی رضا رایق ہے، یہ تذکرہ غالباً ابھی تک چھپا نہین لیکن اس کا قلمی نسخہ اس وقت میرے سامنے
ہے، عبارت رنگین اور پرپیچ ہے، اپنے تذکرہ کی تالیف کے متعلق رایق کا بیان ہے:-

لاجرم در سنہ ۱۲۴۱ھ الف و مائتین و عشر از رشحات سحاب سطح ورق رنگین تر از کاغذ ابری گردید و مرقع

صورت این حال از موقلم انگار برنگ آمیزی رسید

اس کے بعد لکھتا ہے:-

"و تاریخ آغاز این گلدستہ از لفظ گلدستہ کرناٹک" برشتہ بندی نظر فکر رسید"

رایق نے یہ تذکرہ نواب محمد غوث بہادر اعظم کے مورث نواب اعظم جاہ بہادر کے حضور مین پیش کرنے
کیلئے لکھا تھا لیکن انھون نے سنہ ۱۲۴۱ھ مین قضا کی اور نواب محمد غوث بہادر اس وقت بہت کم سن تھے
اس لئے ان کے اتالیق نواب عظیم جاہ بہادر کے حضور مین اس نے یہ تذکرہ گذرانا، رایق نواب اعظم جاہ بہادر کی
وفات کا ذکر کرتے ہوئے عرض مدعا ان الفاظ مین کرتا ہے:-

"بنا بر علیہ این رسالہ از نظر نواب مغفور نگذشت و دامان امید مالامال نگشت ..... امیدکہ این
نونہالان گزین افکار و نو دسان بہارستان حسن گفتار از نگاہ بہار پیرای نواب فلک بارگاہ سخن پناہ عظیم جاہ
ادام اللہ بقاءہ بنگ قبول عنایت شمول و شادابی و سیرابی دلخواہ حاصل گردانند"

معلوم نہین کہ مولف کی مراد بر آئی یا نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ خود نواب محمد غوث بہادر نے اس تذکرہ کو ناپسند کیا کہ اسی کے جواب مین تذکرۂ صبح وطن لکھنے پر مجبور ہوئے، لکھتے ہین:

"در ین ہنگام تذکرہ گلدستہ کرناٹک رایق با معان نظر ملاحظہ کردم، احوال بعض سخن سنج را چو گل
کاغذی بو بافتم یعنی بپاس قومیت خلاف واقع تحریر پرداختہ و ذکر بعض از نگہذار تبادل بلطمراق

قلمی ساختہ لہذا بحقیقت حال ہر یک معنی طراز را با یازدہ غزل ادبی انتخاب بقید قلم آوردم ......
دیگرانیکہ بعد انتقال رایق قدم بر جادۂ فکر گذاشتند اسامی آنہا نیز با چند غزل ساختہ موسوم بصبح وطن
گردانید،

تذکرۂ صبح وطن مین کوئی ۸۹ شعراء کا حال اور کلام درج ہے، اور حالات کی تحریر اور غزلون کے اندراج
مین مولف نے فراخ دلی سے کام لیا ہے، خاتمہ پر بہت سی تاریخین ہین، از آن جملہ ایک یہ ہے:-

چونکہ این نسخہ را نمود تمام	اعظم جملہ سرواران زمین
کرد فکر سنش چنین دا لا	پرتو آفتاب صبح و طن

نواب محمد غوث بہادر کی ولادت سنہ ۱۲۳۹ھ مین ہوئی اور یہ تذکرہ انھون نے سنہ ۱۲۵۸ھ مین لکھا، اس لئے
یہ امر موجب تحسین و استعجاب ہے کہ کل ۱۸ برس کے سن مین وہ ایک ایسے اچھے تذکرہ کے مولف ہوئے اور مزید
حیرت انکی دلچسپ عبارت آرائی اور پختہ طرز تحریر پر ہوتی ہے،

اب خود تذکرۂ گلزار اعظم کے متعلق چند ضروری باتون کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے،

اوّل یہ ہے کہ صبح وطن اگر رایق کے جواب مین لکھا گیا ہے، تو گلزار اعظم واصف کے تذکرۂ معدن الجواہر کے "جواب" مین لکھا گیا ہے، چنانچہ نواب محمد غوث مرحوم اپنے تذکرہ لکھنے کی خواہش اور قلت وقت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہین:-

"تا این کہ تذکرۂ معدن الجواہر واصف بملاحظہ رسید بوضوح انجامید کہ موی الیہ در مقامات کثیرہ بغوامض
و نکات شعری پی نبردہ با اعتراضات بیجا بر کلام اساتذہ قلم فرسودہ و بدخل ناسزا کار فرمودہ، لہذا بجز
طبیعت باز بجوش آمد و دریای خاطر در خروش کہ جوابات رایقہ آن درج تذکرہ سازم و با متحان مرج
قلم پردازم"

لیکن بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف کو مشاعرون مین ایسا انہماک ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے

یہ ارادہ ملتوی رہا، بہرحال ۱۲۶۹ھ مین دو سال کی محنت کے بعد یہ تذکرہ مرتب ہوا، مولف کا بیان ہے:-

"در عرصہ دو سال شاہد را بحلۂ انصرام آراستم و بحلیۂ اختتام پرداختم"

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ تذکرہ کی تالیف کا کام ۱۲۶۷ھ مین شروع ہوا نہ کہ ۱۲۵۷ھ مین جیسا کہ مولوی صاحب نے اپنے مضمون مین تحریر فرمایا ہے،

تذکرہ ہذا کی خصوصیت یہ ہے کہ شعرا کے حالات وغیرہ کے لکھنے مین اُنھون نے خاص التزام کیا ہے، کلام کا انتخاب دیا ہے، اور واصف کے مفصل جوابات لکھے ہین، چنانچہ صرف اپنے حالات کے ضمن مین کوئی ۴۰ صفحات مین اپنے استاد معنوی سید شاہ ناصر علی کے کلام پر واصف کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اکثر جگہ تذکرہ مین مناظرانہ شان موجود ہے، لیکن بہرحال متانت کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے، سید شاہ ناصر علی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ مین کرتے ہین:-

"بتقلید کلام سید شاہ ناصر علی قدس سرہ حرف میزنم و ایشان را درین فن مقتدی خود میدانم ازانجا کہ نسبت شاگردی معنوی خود بشاہ مرحوم باثبات داد این حقوق آنجناب بر ذمہ من لازم گردید...... بدفع اعتراضیکہ از واصف بر کلام مرحوم وارد گشتہ می پردازم"

نواب محمد غوث بہادر کو نثر فارسی پر پوری قدرت حاصل تھی لیکن زمانہ کے مذاق کے موافق عبارت آرائی اور رنگین بیانی کا بھی شوق تھا، اس لئے کہین کہین رنگینی کے پھیر مین پڑ گئے ہین، ان کا فارسی کلام بھی میری نظر سے گذرا ہے، تذکرون مین جو کچھ ہے، اس کے علاوہ ان کا دیوان بھی سرسری طور پر دیکھ چکا ہون، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال واقع کلکتہ کے کتب خانہ مین ان کا قلمی دیوان موجود ہے جو غالبًا چھپا نہین، اس کی ضخامت ۵۰ صفحے ہے، مین اس دیوان سے انتخاب پیش کرتا لیکن یہ مضمون چونکہ کلکتہ سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے مجبور ہون،

گذشتہ صفحات کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ نواب محمد غوث بہادر نہایت باکمال امیر تھے، اور دور آخر کے واقعی مغتنم اصحاب مین تھے، عجب نہین کہ تذکرہ صبح وطن، تذکرہ گلزار اعظم، اور دیوان کے علاوہ انھون نے اور علمی یادگارین بھی چھوڑی ہون، اگر جنوبی ہند کے کوئی صاحب ان کے سوانح زندگی اور علمی کارنامون کا مفصل تذکرہ لکھین، تو بہت خوب ہو، علاوہ برین خود ان دو تذکرون کے مطالعہ سے اُس خطۂ ملک کے دور آخر کی علمی مجلسون اور بزمہائے ادب کا بہت کچھ دلچسپ حال مل سکتا ہے،

اسی امیر باتدبیر کے زیر سرپرستی ایک اور تذکرہ نتائج الافکار نامی چھپکر شایع ہوا جس کا مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے، یہ تذکرہ محمد قدرت اللہ گوپاموی کا مرتب کردہ ہے، محمد قدرت اللہ نے دو اور تذکرے جام جہان نما اور تکملۃ الشعرا نامی لکھے ہین جنکے قلمی نسخے کمیاب ہین، مولف نے تذکرۂ نتائج الافکار ۱۲۵۸ھ مین مرتب کیا اور نواب محمد غوث بہادر کی سرکار مین پیش کیا، چنانچہ نواب صاحب کے متعلق یون گویا ہے:-

"امروز کہ آن درۃ التاج شہامت و بحر مواج سخاوت، حاتم عصر باذل دہر قدم در عرصہ نوزدہ سالگی نہادہ ذات والاصفاتش مفتاح کنوز کامرانی ست و کلید گنجینۂ فیض رسانی"

مولف کا بیان ہے، کہ اس تذکرہ کی ترتیب مین اس نے نہایت کد و کاوش کی ہے، اور حالات و سنون کے متعلق خاص تحقیقات کی ہے، لیکن مجھے اس تذکرہ مین کوئی نمایان بات نظر نہین آتی، وہی رطب و یابس جو عام تذکرون مین پایا جاتا ہے، اس مین بھی موجود ہے، خاتمہ کی تاریخ ہے ؎

فکر سال نتائج الافکار — ہر یکی کرد و در معنی سفت
عقل چون حرف ندید دران — ہدیۂ بارگاہ اعظم گفت

یہ تذکرہ خود نواب محمد غوث بہادر کے حسب الحکم ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء مین مدراس سے شایع ہوا اور اب ایک حد تک کمیاب ہے،

دکن کے تذکرون مین گل رعنا اور شام غریبان، دو تذکرون کا نام بھولا نہین جا سکتا یہ دونون

تذکرے لکھے ہی، خان آرزو، شفیق اورنگ آبادی کی تالیف ہین، آخر الذکر تذکرہ میری نظر سے نہین گذرا، اور مؤلف تاریخ ادبیات نگار بھی اس مضمون سے بے خبر ہے، کہتا ہے "غالباً محتوی بکلام فصحای اہل ولایت است" لیکن پہلا تذکرہ یعنی گل رعنا (قلمی) البتہ مولوی خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ مین میری نظر سے گذرا ہے، اس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مسلمان شعراء کے حالات ہین جو ۲۶۰ اوراق پر ختم ہوا ہے، اور دوسرا حصہ ورق ۲۶۱ سے ورق ۲۸۶ تک ہے، اور اس مین ہندو شعراء کے حالات ہین جنھون نے فارسی اشعار کہے ہین، اس تذکرہ کا دوسرا حصہ نہایت قابل قدر ہے، اور اگر چھپوایا جائے تو واقعی نہایت مفید ثابت ہو،

اسی سلسلہ مین ایک اور تذکرہ کا ذکر غالباً نامناسب نہ ہوگا جس کا نام تحفۃ الشعراء ہے، اور جسمین آصفجاہ اول کے عہد کے شعرا کا حال درج ہے، اس کی تالیف سنہ ۱۱۶۵ھ مین ہوئی اور مؤلف کا نام افضل خان اورنگ آبادی ہے حضور نظام کے کتب خانۂ صفیہ مین اس کا قلمی نسخہ موجود ہے،

افسوس ہے کہ یہ مضمون اپنے مستقر (کلکتہ) سے باہر بیٹھکر لکھ رہا ہون، اس لئے دکن کے بعض اور تذکرون کا ذکر رہ گیا، بہر حال، یار زندہ صحبت باقی،

مطبع معارف

مطبع معارف کے خاص خصوصیات کی بنا پر اکثر علم دوست اصحاب نے اپنی کتابین اس مطبع مین چھپوانے کی خواہش کی، لیکن ہمارے پاس خود اتنے کام تھے کہ ہم ان کو پورا نہین کر سکتے تھے لیکن اب انجن سے مشین چلنے کے باعث باہر کی فرمایشون کی بھی تعمیل کر سکتے ہین، اگر کوئی صاحب اپنی کوئی کتاب چھپوانی چاہتے ہون تو وہ بخوشی ہمارے پاس بھیج سکتے ہین، نرخنامہ کیلئے منیجر کے نام خط و کتابت کیجئے،

تلخیص و تبصرہ

روس اور علوم مشرقیہ

یورپ کی اکثر قومین مشرق سے ابتداءً صرف تجارتی تعلقات رکھتی تھین لیکن روس کا یہ حال نہ تھا اپنے جغرافی حالات کی بنا پر وہ مغربی یورپ اور ہنگامہ آرا مشرق کے درمیان ایک حد فاصل تھا، روس کی ہزار سالہ تاریخ مین مغربی یورپ سے جنگ کے واقعات شاذ و نادر ہی، ملتے ہین لیکن وہ مشرق سے ہمیشہ برسر پیکار نظر آتا ہے، قرون وسطی مین چونکہ روسی حکمت عملی مشرق کی طرف متوجہ تھی مشرقی حکومتون کے سفرا برابر آتے رہے، اور ان سے سلسلہ مراسلت جاری تھا، اس لئے روسی مغربی یورپ سے کہین زیادہ، مشرق کے جغرافی و سیاسی حالات سے واقف تھے، اس کے متعلق محکمۂ خارجیہ مین مخصوص کاغذات رکھے جاتے مشرقی زبانون کے جاننے والون کو ملازم رکھا جاتا، نقشے تیار کئے جاتے تھے، پیٹر اعظم کے وقت مین، اور صدی کے اختتام پر یہ سلسلہ اور بڑھ گیا،

سنہ ۱۷۲۷ء مین روس کی علمی مجلس (ACADEMY OF SCIENCE) قائم کی گئی اور اس وقت سے وہ ابتک نہ صرف مشرقی علوم پر تصانیف شایع کر رہی ہے بلکہ اس نے قلمی نسخون مطبوعہ کتابون نسلیاتی اثریات سکون وغیرہ کا جن سے مشرق کو تعلق ہے ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے، رفتہ رفتہ یہ چیزین اس قدر بڑھ گئین کہ ان کو مختلف شعبون کے ماتحت مختلف مجالس مین تقسیم کر دینا پڑا، سنہ ۱۸۱۸ء مین کتابون قلمی نسخون وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام ایشیائی عجائب خانہ رکھا گیا، سنہ ۱۸۳۶ء مین نسلیات و حیاتیات کا ذخیرہ نسلیاتی عجائب خانہ کے نام سے ایک جگہ رکھا گیا، سنہ ۱۸۵۹ء مین اس قسم کا ایک اور

عجائب خانہ قائم کیا گیا ہے، جسمین مشرق کے متعلق بہت سی مفید چیزین موجود ہین،

روسی یونیورسٹیون مین دوسرے موضوعون کی طرح مشرقی السنہ کے مطالعہ کا بھی شعبہ قائم کیا گیا، لیکن سنہ ۱۸۵۵ء مین اس کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا، اور اس کا نام "محکمۂ مطالعۂ علوم تاریخ والسنۂ مشرق" رکھا گیا، اس محکمہ نے متعدد بلندپایہ مستشرق پیدا کئے ہین، اس کے ساتھ ہی روس کے مختلف شہرون مین اثریات وغیرہ کے مطالعہ کے لئے متعدد مجالس قائم ہوئین، ماسکو، سینٹ پٹرس برگ وغیرہ مین کتب خانے، عجائب خانے اور انجمنین عالم وجود مین آئین، ان کامون مین روسی مشرقی مجلس، اور روسی جغرافی مجلس کا بہت بڑا حصہ ہے، اول الذکر سنہ ۱۸۱۸ء مین قائم ہوئی تھی، اس کے رسالہ "زپسکی" نے مستشرقین کے حلقون مین عام وقعت حاصل کر لی ہے،

روسی شاہی جغرافی انجمن سنہ ۱۸۴۵ء مین قائم ہوئی، اگرچہ اوس کا رسالہ مشرق کیلئے مخصوص نہ تھا، لیکن اوس مین ایشیا کے متعلق متعدد اہم مضامین ہوتے تھے، روسی سیاح، و مکتشف (کوئی نئی بات دریافت کرنے والا) کی حیثیت سے بہت بلند ہین،

مشرقی تحقیقات مین انھون نے مشرق اقصی، وسط ایشیا اور کوہ قاف کے متعلق بہت کچھ کام کیا ہے، انھون نے سائبریا، منگولیا وغیرہ کی زبانون اور ادبیات کے متعلق سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے، ترکیات مین بھی ان کو اولیت کا فخر حاصل ہے، کردی اور ایرانی زبانون کے متعلق بھی انھون نے بہت کچھ کیا ہے، وادی جیحون کی ایرانی آبادی کے متعلق بھی ان کی تحقیقات قابل ذکر ہے،

کوہ قاف کی مختلف پہاڑی زبانون کے متعلق یا جارجیا، آرمینیا، کی زبانون کے متعلق ان کی تحقیقات وقیع ہے، اس کے ساتھ ہی ہمکو ان کارنامون کا بھی ذکر کرنا چاہیئے جو انھون نے وسط ایشیا کی السنہ و اثریات کے متعلق پیش کئے ہین مضامین بالا کے متعلق روس مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سب کا سب تقریبًا ہمیشہ مفید و مستند رہے گا، اور آئندہ نسلین بھی ان سے اسی طرح مستفید ہون گی،

جس طرح کہ اس وقت تک ہم ان سے متمتع ہوتے رہے ہین،

روس مین ہندوستان کے متعلق بہت کم کام ہوا، کیونکہ اُس کو اس سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا البتہ ان کو سنسکرت اور دوسری ہندوستانی زبانون کا صرف اس لئے مطالعہ کرنا پڑا کہ وہ اس کے ذریعہ بدھ ادبیات پڑھ سکین، روسی حکومت کے ماتحت لاکھون بدھ مذہب والے آباد ہین، ان کے عادات و مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اس کا مطالعہ شروع کیا گیا، منگولون، چینیون، اور تبتیون کے بدھ ادبیات کے مطالعہ کیلئے روسی محققین کو اکثر سنسکرت و پالی کی طرف متوجہ ہونا پڑتا تھا، سنہ ۱۸۹۷ء مین انھون نے بدھ مذہب کے متعلق سلسلہ تصانیف کی اشاعت شروع کی اور اس کا نام "ببلوتھیکا بدھیکا" (BIBLIOTHECA BUDHICA) رکھا، پالی اور سنسکرت کا مطالعہ ۱۹وین صدی کی ابتدا سے شروع ہو گیا، شاہ الگزنڈر اول (المتوفی سنہ ۱۸۲۵ء) کے عہد حکومت مین سینٹ پٹرس برگ مین وہ پہلا مطبع قائم کیا گیا جسمین ناگری کے حروف موجود تھے۔

اس سلسلہ کا سب سے بڑا کارنامہ پروفیسر بوٹلنگ (PROF. BOHTLING) کا لغت ہے، اس کے بعد متعدد اشخاص نے فلسفۂ السنہ کی حیثیت سے سنسکرت و پالی کا مطالعہ کیا، ان مین قابل ذکر وسیلو (VASILIEV) اور مینایو (MINAYEV) ہین، موخر الذکر کے جو پالی کے استاد تھے شاگرد پروفیسر شربز کی (PROFESSOR STCHERBATSKI) بدھ فلسفہ کے مستند عالم ہین، انھون نے اس فلسفہ کے متعلق مختلف کتابین شایع کی ہین، یہ ایک قابل افسوس سانحہ ہے کہ ان کے ذہین شاگرد او روزن برگ (O. ROSENBERG) کا جن سے ہماری بہت سی توقعات وابستہ تھین سنہ ۱۹۱۹ء مین انتقال ہو گیا،

ایک دوسرے قابل ذکر ماہر ہندیات او اولڈن برگ (O. OLDENBURG) تھے انکو بدھ فنون سے خاص دلچسپی تھی، انھون نے اسی سلسلہ مین وسط ایشیا کے مدفون اور ویران شہرون کی سیاحت کی تھی اور وہان سے بہت قیمتی اشیاء حاصل کر کے اپنے ملک لے گئے تھے، وہ روسی مجلس علمی کے ناظم تھے، اس عہدہ نے ان کو تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع دیا، ان کے علاوہ سنسکرت و پالی کے

دوسرے متعدد ماہر بھی روس مین ہوئے ہین،

اب ہر شخص یہ جاننا چاہے گا کہ انقلاب کے بعد ان کامون کی کیا حالت ہے، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس ہنگامۂ دار و گیر مین مستشرقین اپنا کام بدستور کرتے رہے، نئی کتابون کی اشاعت اور تحقیقات کے کامون مین یقیناً سخت رکاوٹین پیدا ہوئین، انقلاب کے وقت جو کتابین مطبع مین جا چکی تھین، وہ مدت کے بعد شائع ہوئین، موجودہ حالات مین ماہرینِ فن کو سخت دقتون کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اُن کو اپنی زندگی اپنی محنت سے بسر کرنی ہوتی ہے، اگر سینٹ پیٹرس برگ کے حالات سے ہم کسی نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین، تو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہان ان انجمنون کو نئے نامون سے دوبارہ قائم و جاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، لیکن کام کرنے والون کی تعداد مین کوئی اضافہ نہین ہوا ہے، موت اور دیگر اسباب کی وجہ سے اس مین بہت کمی ہو گئی ہے، جو باقی ہین وہ اپنے اعلیٰ روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہین، اگر روس کی موجودہ حالت باقی رہی تو علمی دنیا کیلئے یہ ایک بڑی مصیبت ہو گی، یہ کام دنون کے نہین بلکہ صدیون کے ہین ان کی بربادی آسان ہے، لیکن ان کا قیام اور احیاء مشکل،

(آئی ایچ، کیو)

ایشیائی فنون

مسٹر لارنس بنیان نے برطانیہ کے عجائب خانہ مین ایشیائی فنون کے متعلق جو ذخیرہ موجود ہے، اس کو پیش نظر رکھکر اس قدیم برِ اعظم کی صنعت و حرفت کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، لندن ٹائمس نے اپنے ادبی ضمیمہ مین اس پر ایک مبسوط تقریظ شائع کی ہے، تنقید نگار لکھتا ہے:-

"اس وقت سے کہ وینس، پرتگال، اور ہالینڈ کا مشرق سے اثر غائب ہو گیا ہے، انگلستان نے ان کی جگہ لے رکھی ہے، صدیون تک مشرق کی دولت ایک افسانہ تھی لیکن گذشتہ سالون مین لوگون نے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ یہ افسانہ حقیقت پر مبنی تھا، اور وہان کی ایسی چیزون کا پتہ لگا لیا ہے، جو ایک

قدیم ترین تمدن کی یادگار ہین، یورپ ایران کے قالینون اور چین کے ریشمی کپڑون کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا، لیکن اُسے ہندوستان کی صنعتِ سنگ تراشی، چین کی نقاشی اور جاپان کے فنون لطیفہ کی خبر نہ تھی، اب صرف گذشتہ ۵۰ سالون سے محققین کو یہ معلوم ہوا ہے، کہ ان ممالک مین صنعت و حرفت کے ذخائر موجود ہین، اور بدھ مذہب کی ترویج نے یہان کے فنون کو اسی طرح بامِ ترقی کے بلند ترین زینہ پر چڑھا دیا تھا جس طرح عیسائیت نے یورپ کے فنون کو، لندن مین مختلف مقامات پر مشرقی فنون کے لاتعداد نمونے موجود ہین، دو صدیون کی تلاش و جستجو نے لندن مین چین کے ریشمی کپڑون کے بہترین نمونے، ہندوستان کی بہترین سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونے، ایران اور ہندوستان کے جلد سازون کی بہترین جلدین جمع کر دی ہین، لیکن یہ فخر سر سڈنی کالون اور مسٹر بنیان ہی کی قسمت مین تھا، کہ وہ چین اور جاپان کی بہترین نقاشی کے نمونے جمع کر کے دنیا کے سامنے پیش کرین، زیر تنقید کتاب مین جس قدر نمونے پیش کئے گئے ہین وہ سب کے سب برطانی عجائب خانہ سے لئے گئے ہین، ان کی عالمانہ اور دلچسپ کتاب مین عام صفتون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

اگرچہ ہندوستان اور چین کی دو بڑی قومون کے تمدن کو قدیم ترین کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ سنگ تراشی کے فن کی ابتدا سنہ عیسوی کے ساتھ ہی ساتھ یا زیادہ سے زیادہ دوسری صدی قبل ولادت مسیح مین ہوئی ہر قوم مین چوب تراشی کی صنعت اس سے بھی پہلے سے موجود تھی لیکن وہ ناپید ہو گئی ہے، چین کے تانبے کے مجسمے جنکو محققین اور تاجر دونون قدیم ترین زمانہ کی چیز بتاتے ہین، بہت بہترین ہین، چین کی نقاشی عہد عیسوی کے ساتھ شروع ہوئی اور ان کا فن سنگ تراشی بدھ مذہب سے ارتباط کا نتیجہ ہے، ہندوستان کی ابتدائی کوشش صوری تھی جو بعد مین نہایت واضح اور حسین ثابت ہوئی، قدیم ایرانی اثر نے اسے زیادہ حسین بنایا، اور "ایشیائی یونانی" تعلقات نے اس مین نزاکت پیدا کر دی ہے، مسٹر بنیان نے اپنی کتاب مین اس موخر الذکر تعلق کے اثر کو تسلیم نہین کیا ہے، اور وہ یونانی بدھی فن کے قائل نہین ہین حالانکہ اسکا فن مستقل اور بانتیجہ رہا ہے، اور اس نے نہ صرف بدھ مذہب کے جنوبی حصہ کو متاثر کیا بلکہ جاوا اور

جاپان مین بھی اس کا اثر موجود ہے، الفنٹا کے برہمنی مجسمون مین بھی اثر کا رنگ نظر آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ جو اثر اطالیہ نے تمام یورپ پر مذہبی منبع ہونے کی حیثیت سے ڈالا ہے اسی اثر سے ہندوستان نے بدھ مذہب کی وجہ سے تمام مشرق کو متاثر کیا ہے، سانچی اور اجنتا کے سنگ تراشی کے نمونے وہان کے کمال کے مظہر ہین، سنگالی کی کتاب کا مجسمہ ہندوستان کے اس فن کو بتاتا ہے، جو مشرق کی طرف پھیلا، ان کے علاوہ ہندوستان اور چین کے ان مجسمون کے نمونے ہین جو اپنے کمال فن کی وجہ سے بہت کمیاب ہین، جاپان کی صنعت مین اس قسم کی مثال نظر نہین آتی، اس حیثیت سے اگر کوئی چیز قابل ذکر ہے تو وہ چین اور جاپان کی نقاشی کے نمونے ہین جو بڑی تعداد مین برطانی عجائب خانہ مین موجود ہین، اگرچہ جاپان مین کیفیت کو کمیت پر ترجیح ہے، لیکن پھر بھی نقاشی کے بعض نمونے اپنا جواب نہین رکھتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس کتاب کی قیمت ۴۲ شلنگ ہے، اور ٹائمس کے بک کلب لندن سے مل سکتی ہے،

حیات مالک

امام مالک کے سوانح، مدینہ کی مجلسین صحابہ اور تابعین کا علمی انہماک حدیث کی تدوین، مدینہ کی فقہ، اسلاف کے اخلاق وسیرۃ کی تصویر اور حدیث کی پہلی کتاب موطا کی خصوصیات اس کتاب مین نظر آئین گی، قیمت عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

جس طرح پانی ایک رقیق چیز ہے، اسی طرح ہوا بھی ہے، قدرت نے پانی مین رہنے والے جانورون کی خاص شکل وصورت بنائی اس سے ان کو آبی سفر مین کوئی دقت نہین ہوتی اور نہ ان کی قوت مین کمی ہوتی ہے، اسی نظریہ کو سامنے رکھکر جرمنی کے ایک ماہر سائنس نے ایک ایسی موٹر بنائی ہے جسکی شکل بالکل مچھلی کی سی ہے، اور وہ ہوا کی رقیق فضا مین مچھلی کی طرح نہایت تیزی سے سفر کرتی ہے، اس کے ساتھ تیل وغیرہ کے خرچ مین بھی تقریبًا ایک ثلث سے بھی زیادہ کی بچت ہوتی ہے،

انگلستان کی عشرت پسند آبادی جس طرح اپنی آرایش وزیبایش اور اخلاق سوز اعمال مین مبتلا اور مشغول ہے اس کا ثبوت ذیل کے چند واقعات دین گے، لندن کے رقص خانون مین اب تک عام پنکھے استعمال کئے جاتے تھے لیکن اب ان کی جگہ ایسے پنکھے استعمال کئے جاتے ہین جنکے بازوؤن پر فاسفورس کی پالش ہوتی ہے جب تک تیز روشنی ہوتی ہے، یہ باز وعجیب وغریب رنگون کے مجموعے معلوم ہوتے ہین، لیکن جون ہی روشنیان کم ہوجاتی ہین، وہ اپنی سنہری شعاعون سے تمام کمرہ کو حسین اور حاضرین کے لباسون کو دلکش بنا دیتے ہین،

اندنون آسٹریلیا کی شراب اہل لندن کو بہت مرغوب ہے گذشتہ سال انگلستان مین صرف ۱۵،۷۰۰،۰۰۰ گیلن شراب خرچ ہوئی،

پہلی دسمبر ۱۹۲۲ء سے ۲۸ فروری تک انگلستان مین موٹرون کے لائسنس کی فیس سے جو رقم وصول ہوئی اس کی تعداد ۱۱۱۸۰۰۰۲ پونڈ ہے، اسوقت انگلستان مین ۱۰۶۷۰۰۰ موٹر اور لاریان ہین،

انگلستان کے گذشتہ سال مین اخراجات کا اندازہ ۹۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ لگایا گیا تھا، لیکن واقعی خرچ اس سے ۱۱۸۷۰۰۰۰۰ پونڈ زیادہ ہوا، اس سال کے خرچ کا اندازہ ۷۹۹۴۰۰۰۰۰ پونڈ ہے، انگلستان کے متعدد ذرائع آمدنی کا اساس مندرجہ ذیل اندازہ کیا گیا ہے،

چنگی اور منشیات ۲۳۹۲۶۰۰۰ پونڈ، موٹرون کی فیس لائسنس ۱۷۵۰۰۰۰۰ پونڈ، جائداد وغیرہ ۶۶۵۰۰۰۰۰ پونڈ، کاغذات عدالت ۲۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ، محصول جائداد وغیرہ ۱۰۰۰۰۰۰ انکم ٹیکس ۲۶۲۰۰۰۰۰۰ رات کے کھانے کا ٹیکس ۴۲۳۰۰۰۰ پونڈ، منافع منشیات ۴۰۰۰۰۰ پونڈ کارپوریشن ۹۰۰۰۰۰ پونڈ، ڈاکخانہ ۷۵۰۰۰۰۰ پونڈ، شاہی جائداد ۹۰۰۰۰۰ پونڈ، سود ۱۲۶۰۰۰۰۰ پونڈ، متفرقات ۴۴۰۰۰۰۰ پونڈ، میزان ۱۰۶۰۰۰۰۰ پونڈ،

آئندہ سال انگلستان اور نیویارک (امریکہ) کے مابین تار کا ایک جدید ترین سلسلہ کا قیام عمل مین آئیگا، اس کے ذریعے ایک منٹ مین ۵۰۰۰ حروف بھیجے جاسکین گے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ حال مین جرمن موجد نے اس قسم کا جو تار ایجاد کیا تھا اس سے اس مین ۵۰۰ حروف فی منٹ زیادہ ارسال کرنے کی قوت ہے،

انگلستان مین بیکاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور حکومت کو اس خوف سے کہ یہ مزدور کہین اشتراکیین کے جال مین نہ پھنس جائین ان کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے، اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر سال اس مد مین تقریباً ۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ سالانہ یعنی ۹۵۰۰۰ پونڈ فی ہفتہ خرچ ہوتے ہین،

جہان دنیا مین اب علوم و فنون، مذاہب، معاشرت کی بین الاقوامی مجالس ہوتی ہین، وہین امریکہ نے گذشتہ ماہ مین اشتہار دینے والون کی بین الاقوامی مجلس کا انعقاد کیا، اس مجلس کی شرکت کے لئے انگلستان سے سر ولیم ونیو تشریف لے گئے تھے،

انسان دنیا مین کسی چیز کو بیکار نہین چھوڑنا چاہتا، مذبح مین خون جمع ہوتا تھا، وہ اب تک صرف کھیتون کے کام آتا تھا، لیکن اب بعض کمپنیون نے اس سے بعض گراموفون کے ریکارڈ اور اسی قسم کی دوسری تجارتی چیزین بنانی شروع کردی ہین،

مسٹر ملکالم کمپل جو انگلستان مین موٹرون کے بڑے استاد تسلیم کئے جاتے ہین اور جو موٹرون کی دوڑ مین بہت زیادہ مشہور ہین، آئندہ دوڑ کیلئے ایک بہت بڑا موٹر تیار کر رہے ہین جسکی مثال اب تک موجود نہین، یہ موٹر فی گھنٹہ ۱۸۰ میل کی رفتار سے سفر کریگا، اس مین ۴۵۰ گھوڑون کی طاقت ہوگی اور اس کے پہئے ہر منٹ مین ۲۵۰۰ چکر پورے کرین گے، اگر یہ موٹر عام طور سے چلنے والی ہوتی تو اس کے مالک کو ۴۵۰ پونڈ فیس دینی ہوتی،

چڑیون، مچھلیون، ٹڈیون کے متعلق تو لوگ عموماً جانتے ہین کہ وہ اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرتی رہتی ہین، لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہون گے کہ تتلی جیسی نازک مخلوق بھی چار چار ہزار میل کا سفر کرکے ایشیا سے یورپ پہونچتی ہے، مسٹر سی، بی ولیم جو مصر کے محکمۂ زراعت کے افسر ہین ان کا مطالعہ کیا ہے، وہ رسالہ نیچر مین لکھتے ہین کہ یہ تتلیان جنوبی افریقہ اور ایشائے کوچک کے درمیان والے شمالی مشرقی صحرا کے قریب جو انگلستان سے تقریباً ۲ یا ۳ ہزار میل دور ہے، پیدا ہوتی ہین، ابتدائے

بہار میں وہان سے روانہ ہو کر اپریل مین بحر روم کے جنوبی ساحل پر پہونچتی ہین، وہ فلسطین سے شام اور ٹرکی ہوتی ہوئی اور بلقانی حکومتون کو عبور کرتی ہوئی مصر، طرابلس، اور الجزائر کے راستہ جنوبی یورپ مین پہونچتی ہین، آخر مئی یا ابتداے جون مین انگلستان پہونچتی ہین، اور ایک ہفتہ بعد اسکاٹلینڈ بعض تتلیان، آئس لینڈ مین بھی پائی گئی ہین جو تقریباً ۴ ہزار میل ہے،

مسئلہ سود سے دلچسپی رکھنے والون کیلئے یہ خبر یقیناً عجیب ہوگی کہ یہودیون کی آزاد خیال جماعت نے اس بات کی نہایت سختی سے تحریک شروع کی ہے کہ آئندہ سے یہودی قرض دینا بند کر دین، ان کے مذہبی پیشوا اسرائیل منک کا بیان ہے کہ ہم یہ تحریک اس لئے نہین کرتے کہ یہودی اس حیثیت سے بدنام ہین بلکہ اس لئے کہ یہ ہمارے مذہبی احکام کے سراسر منافی ہے،

اس وقت انگلستان کے صرف دار السلطنت لندن مین ٹیلیفون جس کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے، کہ وہان اس وقت ۰۰۰ ۲ کم ..... ۵ ٹیلیفونون سے کام لیا جا رہا ہے،

حال مین انگلستان کے ایک علاقہ ہیٹس مین وہان کے مقتولین جنگ کی یادگار مین ایک گرجا تعمیر کیا گیا ہے، اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ وہ دنیا کا سب سے چھوٹا گرجا ہے،

لندن کی مجلس حیوانات نے جو رپورٹ شایع کی ہے، اسمین لکھا ہے کہ اس سال اس کے زندہ عجائب خانہ کو دیکھنے کے لئے ۱۴۶،۰۰۵ ،۲ آدمی آئے اور یہ تعداد ہر سال سے زیادہ ہے، ان لوگون سے جو آمدنی ہوئی اس کی تعداد ۲۲،۰۰۰ ۲ پونڈ ہے،

آثار علمیہ ادبیہ

باقیات صالحات ترکان عثمانی

مولانا شبلی مرحوم کا ایک ناتمام غیر مطبوعہ کلام،

اے کہ ....[1] جہان را سر و سودا باتست — اے کہ سرمایۂ صد یاس و تمنا باتست

ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری — لوح ارژنگی و صد پیکر زیبا باتست

زاہدستی کہ سر صدق و صفا ہست ترا — شاہدستی کہ دلآویز ادا ہا باتست

یادگار حشم دیلم و سلجوق استی — شرح ہنگامۂ بغداد و بخارا باتست

داستانہائے عزیزان ہمہ از برداری — خبر از قافلۂ یثرب و بطحا باتست

آن پراگندہ نژاد عرب و نسل عجم — یعنی آن مصحف اسلام مجزا باتست

گرچہ شیرازۂ ملت ہمہ ابتر شدہ است — ورقے چند پراگندہ ہمہ جا باتست

گرچہ آن تازہ چمن رفت بہ تاراج خزان — باز ہم بوی خوشے زان گل رعنا باتست

گرچہ زان میکدہ اکنون اثرے نیست بجائے — جرعۂ چند ازان شیشہ و مینا باتست

بے نوائی و ہمہ باسر و سامان ہستی،

قطرۂ ہستی و آبستن طوفان ہستی،

---

[1] معارف:- یہان پر کوئی پنج حرفی لفظ مسودہ مین مولانا کے قلم سے چھوٹ گیا ہے، شاید کہ "نیرنگ" کا لفظ ہو کہ یہ لفظ اس موقع پر مولانا کے قلم سے کبھی کبھی ادا ہوا ہے،

ادبیات

غزل

از

سید عابد علی صاحب عابد بی، اے، ایل، ایل، بی، الہ آباد،

حقیقت کا پتہ اس کو ملا شوریدہ سر ہو کر
تیرے وحشی نے کھوئے رازِ عالم دربدر ہو کر

سر محفل جو اُٹھی تھی کسی کی اک نظر ہو کر
وہ پہلو مین ہمارے رہ گئی چاک جگر ہو کر

یہ مانا ہم نے دیوانہ رہے گا دربدر ہو کر
نہ بیٹھو گے مگر ہان تم بھی اس سے بے خبر ہو کر

نہین معلوم کس نے کس نظر سے ہمکو دیکھا تھا
کہ پہلو مین جگر رہنے نہ پایا پھر جگر ہو کر

ابھی ہے شام غم اور درد دل کی حد نہین ملتی
مرے اللہ کیا ہوگا شب غم کی سحر ہو کر

صدا پیدا ہوئی زندان مین جو کروٹ بدلے ہے
وہ پہونچی خود نگاہ ناز مین دردِ جگر ہو کر

کسی کو دیکھکر اک آہ کی، پھر بند کین آنکھین
کہانی یون رہی بیمار غم کی مختصر ہو کر

جھکا تھا سر مرا اور ہاتھ دل پر تھے قیامت مین
یہ اپنی عمر بھر کی داستان بھی مختصر ہو کر

کسیکی ایک مشت خاک اپنے دوش پر رکھے
چلی ہے آج صحرا سے صبا یون نامہ بر ہو کر

وطن سے دور اک میت پڑی ہو تو خبر کوئی
زبانِ حال سے کہتے ہین کانٹے نوحہ گر ہو کر

کہان اور کون اپنے آشیان کو یاد کرتا ہے
کہ اک جانب کو تنکے کچھ اُڑے جاتے ہین یہ ہو کر

چمن والو وہ پیر بخش کبھی انکی بھی لازم ہے
جو تم سے دور بیٹھا ہے کہین بے بال و پر ہو کر

لرزتی ہے زمین حشر اک عبرت کا عالم ہے
شہیدانِ وفا اُٹھتے ہین اپنے خون مین تر ہو کر

مزا دنیا مین جینے کا بقدرِ درد ہے ماجد
ہمارا نالۂ دل کیا کرے گا با اثر ہو کر

غزل

از

سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی وکیل ججپور

قفس مین دل جو تڑپتا ہے آشیان کیلئے
دعائین منہ سے نکلتی ہین باغبان کیلئے

زبان کھلی نہ مری شکوۂ بتان کیلئے
وفائین مہر ہوئی ہین لب و دہان کیلئے

گلہ کرون گا ترا اس زبان سے کیونکر
کھلی نہ جو گلۂ جورِ آسمان کیلئے

شب فراق مقدر مین میرے کیون لکھی
دعائین مانگی تھین کب عمر جاودان کیلئے

سزائے آہ و فغان انتقام مہر و وفا
ہزار حیلے ہین عاشق کے امتحان کیلئے

ہوا ہے عشق مین جی زندگی سے سیر ایسا
کہ مانگتا ہون دعا مرگ ناگہان کیلئے

اسی پہ ٹوٹ کے بجلی گری ہے گلشن مین
جو ہم نے تاکی تھی اک شاخ آشیان کیلئے

ملے جو خواب کہین، دیکھے طالع بیدار
خرید لون اُسے مین انکی پاسبان کیلئے

نہین یہ رشک گوارا کہ دردِ عشق ترا
وہی ہمارے لئے ہو وہی جہان کیلئے

پھپھولے اسمین بھی ہین اسمین بھی تپ غم سے
مزے جو دل کیلئے ہین وہی زبان کیلئے

وفا مین غیر سے میرا مقابلہ ہی سہی
بہانہ چاہئے آخر کچھ امتحان کیلئے

وہی کلیم کے حصہ مین آگئی اطہر
جو برقِ طور تھی میرے دل تپان کیلئے ؛

بَابُ التَّقْرِيْظِ وَالْاِنْتِقَادِ

جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق

مصنفہ: نواب مسعود جنگ سید راس مسعود ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن،

مترجمہ: مولوی عنایت اللہ صاحب بی، اے ناظم شعبۂ ترجمہ و تالیف حیدر آباد

شاید ناظرین کو یاد ہو کہ چند سال ہوئے، کہ سرکار نظام نے جناب سید راس مسعود صاحب کو جاپان بھیجا تھا کہ وہ وہان جاکر وہان کے تعلیمی حالات کا مطالعہ کرین اور مملکتِ نظام کی فلاح و بہبودی کے لئے مقابلۃً جو تجویزین مفید نظر آئین، اُن کی رپورٹ پیش کرین، یہ موجودہ تصنیف اسی شاہی فرمان عالی کی تعمیل ہے،

سب سے پہلے ہم اس بات پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہین، کہ یہ کوشش اردو کیلئے ایک خاص حیثیت سے نہایت حوصلہ افزا ہے، ہماری زبان مین جو کتابین اس وقت لکھی جارہی ہین، ان مین زیادہ مردہ ہڈیون کے اکھیڑنے کا کام انجام پارہا ہے، جدید علوم کے جو ترجمے اردو مین کبھی کبھی ہوتے ہین ان مین بھی اگر کسی بوسیدہ لاش کو مومیائی کے ذریعہ سے زندہ دکھانا مقصود نہین، تو کم از کم کسی تازہ لاش پر عمل جراحی سے زیادہ اس کی حیثیت نہین، اردو مین کسی حاضر و موجودہ وقت مسئلہ پر براہ راست تصنیف کا مرحلہ ابھی کوسون دور ہے، اس بنا پر یہ تصنیف ایک حد تک اردو کیلئے ایک نئے باب کا افتتاح ہے یعنی ایک حاضر الوقت مسئلہ پر تازہ معلومات و ذاتی مشاہدات کا مجموعہ ہے،

مگر چونکہ اس راہ مین تیز روی اُردو کیلئے زیادہ مناسب نہ تھی اس لئے مسئلہ ارتقاے تدریجی کو ملحوظ

رکھ کر یہ کیا گیا کہ اُردو جامعۂ عثمانیہ کے فائدہ کی غرض سے نیز مملکت نظام مین اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک کے لئے ہمارے مصنف نے اپنے خیالات رپورٹ کی صورت مین انگریزی مین لکھ کر پیش کئے، اور اردو کے مشہور ماہر ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی، اے دخلف الرشید شمس العلما مولانا ذکاء اللہ مرحوم) جو پریچنگ آف اسلام کے ترجمے کے باعث اپنی طالب العلمی ہی سے ترجمہ کی سلاست و روانی، اور صحت کیلئے مشہور ہین، ان کو اُردو کے قالب مین ڈھالا، جہان تک ترجمہ کا تعلق ہے جناب مترجم کی خوبیان تعریف سے مستغنی ہین،

اصل کتاب ۴۸۲ صفحون پر حسب ذیل ۲۴ بابون مین تمام ہوئی ہے،

پہلا باب، ملک (جاپان)، اور ملک کے لوگون کے خصائل،

دوسرا باب، جاپانیون کا مذہب،

تیسرا باب، شوگنون (موروثی وزراے جاپان) کی اصل، پرتگیزون کا جاپان کو دریافت کرنا سینٹ فرانسس زیویر کا ملک مین وارد ہونا،

چوتھا باب، داعیانِ مذہب عیسوی کے ساتھ نوبوناگا اور ہیدی یوشی کا برتاؤ،

پانچوان باب، داعیان مذہب عیسوی کا ملک سے نکالا جانا، جاپان کا غیر ملکیون سے اپنے تئین علیحدہ کرلینا،

چھٹا باب، شوگنی حکومت، ٹوکوگاوا مین امن و سلامتی کا زمانہ،

ساتوان باب، مغربی علوم کی تحصیل،

آٹھوان باب، شروع کے حامیان تعلیم مین سب سے بڑا شخص،

نوان باب، کموڈور پیری کا وارد ہونا، سب سے پہلے عہد نامجات پر دستخط،

دسوان باب شوگنی حکومت کا زوال،

گیارہوان باب، ملک مین اتحاد پیدا کیا جانا،

بارہوان باب، جاپان کا دنیا کی ایک بڑی طاقت بن جانا،

تیرہوان باب، دستور جاپان،

چودہوان باب، دستور جاپان کی بعض اہم خصوصیات،

پندرہوان باب، انتظام ملکی کی خلاصہ کیفیت،

سولہوان باب، جاپانی زبان،

سترہوان باب، تعلیم مین مساوات کا قائم کیا جانا،

اٹھارہوان باب، سر رشتۂ تعلیم، مقامی حکومت کے اجزاے ترکیبی،

انیسوان باب، تنظیم تعلیم، ابتدائی مدارس،

بیسوان باب، لڑکون کے مدارس وسطانیہ، لڑکیون کے مدارس فوقانیہ، لڑکیون کے لئے مدارسِ خانہ داری،

اکیسوان باب، مدارسِ اعلیٰ لڑکون کے لئے یونیورسٹیان،

بائیسوان باب، مدارسِ معلمی، اعلیٰ مدارس علمی، مدارسِ خاص، اندھون، بہرون اور گونگون کے مدارس،

تیئیسوان باب، تعلیم صنعت وحرفت،

چوبیسوان باب، نتیجہ

مضامین کے ساتھ چند نقشے بھی ہین جنمین صوباتی دصوبون کی حکومت کا ناگاوا صوبہ کا ناگاوا مین ماتحت صوباتی حکومت صوبہ کا ناگاوا مین دیہاتی یا قصباتی حکومت شہر یوکوہاما کی بلدی (میونسپل) حکومت کے نقشے ہین، دو تعلیمی نقشے ہین ان مین سے ایک مین تعلیمی ادارہ کا باہمی تعلق دکھایا گیا ہے، اور دوسرے مین جاپانی

مدارس کی باہمی تنظیم نمایان کی گئی ہے،

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ کتاب کس جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے، اگرچہ موضوع کی خصوصیت کے لحاظ سے شروع کے چھ باب غیر ضروری معلوم ہوتے ہین، مگر ہندوستان مین جہان لوگ جاپان کے اندرونی خصائص اور تاریخِ ترقیات ہی سے واقف نہین، ان تمہیدی بابون کا بڑھانا زیادہ نامناسب نہین کہا جاسکتا، اسی لئے مصنف نے اس تطویل کے لئے دیباچہ مین اپنی معذرت بھی ظاہر کر دی ہے،

شائد ناظرین کو یہ امر تعجب انگیز معلوم ہو کہ ایک ہندوستانی ریاست کو اپنے ملک کے تعلیمی امکانات پر غور وخوض کرنے کے لئے اپنے ایک تعلیمی افسر کو یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑ کر جاپان وہان کے تعلیمی نتائج کے مطالعہ کرنے کی غرض سے کیون بھیجا؟ مگر اس کی مصلحتین بالکل ظاہر ہین، سرکار نظام ہندوستان کی پہلی حکومت ہے جس نے اس راز کو پالیا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی کہ جب تک لڑکون کو تعلیم ان کی ملکی زبان مین نہ دی جائے گی، اور مغربی علوم کے ترجمے خود ان کی زبان مین منتقل نہ ہون گے، اہل ملک مین علمی ذوق اور تعلیمی ترقی پیدا نہین ہوسکتی، اور نہ طلبہ کے دماغ علوم کے زیر پردہ اسرار تک پہونچ سکین گے اور نہ علم کا اصلی مزہ ان کو آسکتا ہے جب تک ہماری تعلیم غیر ملکی زبان کے ذریعہ سے رہیگی، ہمکو علوم بیگانہ باہر سے آئے ہوئے اور بالکل عاریت اور منگنی کے معلوم ہون گے، اور یہی شئی علم کا اصلی ذوق پیدا ہونے نہین دیتی، ایک غیر زبان مین خواہ کسی قدر آپ کامل ہون مگر جس قدر آپ کو اپنی مادری زبان کی شاعری مین لطف آسکتا ہے دوسری زبان کی شاعری مین نہین آسکتا یہی حال علوم کے ذوق کا بھی ہے، غیر ملکی زبان کی تعلیم مین دو دقتین ایک ساتھ ہوتی ہین، ایک الفاظ وعبارت اور زبان کی، اور دوسرے مطالب معانی کی، اور اپنی زبان کی تعلیم مین الفاظ وعبارت اور زبان کا بار نہین رہتا، صرف مطلب ومعنی کو سمجھنا اور اس کو تحقیق کرنا رہ جاتا ہے، اس لئے، یہ ترقی کا قریب ترین اور آسان ترین راستہ ہے،

اس حیثیت سے کہ مشرقی قوم کو مغربی علوم وفنون کو اپنی زبان مین منتقل کرکے، اور اس کو ذریعۂ تعلیم

بنانے مین کیا مشکلات ہین، اور ان کے حل کرنے کی کیا تدبیرین ہین؟ اگر کوئی مشرقی ملک اپنے تجربون اور علمی مثالون سے ان کی گرہ کھول سکتا ہے تو وہ **جاپان** ہے جس نے تمام مغربی علوم کو ایک مدت ہوئی کہ اپنی زبان مین منتقل کیا اور اس کو ذریعۂ تعلیم بنا کر اس کے فرضی امکان کو عملی وقوع کی صورت مین پیش کر دیا، اس لئے مملکتِ نظام کو اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اس ملک کے نشانِ قدم کو دیکھنا ضرور تھا جو اسی راستہ سے چل کر مقصود کی منزل تک پہونچا ہے، اور اس کے لئے یقیناً یورپ کا کوئی ملک اس کی دست گیری نہین کر سکتا تھا،

اس کتاب کو پڑھکر جاپان کی تعلیمی کوششون کا جو اندازہ ہوتا ہے وہ عجیب حیرت انگیز ہے، تعلیم کے ہر شعبہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جاپانی تعلیم مین سب سے اوّل جس چیز کو جگہ دیگئی ہے وہ جاپان کو ایک مرکزِ اتحاد مین پیوستہ کرنے کا خیال ہے، جو "مقدس شہنشاہِ جاپان"، کی ذات ہے، اسلئے اس رشتۂ اتحاد کو جہان جمع ہو کر تمام جاپانی افراد اپنے اس "مقدس باپ"، کے زیر سایہ ایک خاندان کے ارکان بنجاتے ہین، ہر تعلیمی شعبہ مین مضبوط اعتقاد کی ڈوری سے باندھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہان تک کہ "حب وطن"، کا جذبہ جس کو آج تمام ملکون کے اعتقادیات کا سب سے پہلا اصول سمجھا جا رہا ہے اس کو بھی وہان دوم درجہ کی اہمیت ہے، تاہم وہ بھی تعلیم کا ایک ضروری عنصر بتایا گیا ہے،

ذات شاہانہ کی عقیدت کے ساتھ ساتھ جو جاپان کو ایک قوم بناتی ہے، دوسری چیز جو اس کی تعلیم کا مایۂ خمیر ہے، اور جو کہین اور کسی شعبہ مین نظر انداز نہین کی گئی ہے، وہ قومی اخلاق اور قومی عنصریت کی نشو و نما اور تکمیل ہے، صنعت و حرفت کی تعلیم کو غالباً اس قسم کی چیزون سے کوئی تعلق نہین، تاہم ہمکو اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کے تعلیمی نصاب مین بھی اس کو نہین چھوڑا گیا ہے، اور اخلاقیات کو ہمیشہ اولین جگہ دی گئی ہے،

"اخلاقیات"، کا مفہوم کیا ہے، اس کی تشریح ہم کو کتاب کے صفحہ ۴۸ اور اس کے بعد پر ملتی ہے،

"**ادنی خواندگی**"، کے نصاب مین اخلاقیات کا مفہوم "قومی اخلاقیات" ہین، "**اعلی خواندگی**" کے ذیل مین اس کی تشریح یہ ملتی ہے، "اخلاقیات کا خاکہ، انصاف اور نیکوکاری، ایک ملک کی بنیادی ترقی ہمارا قومی چین"، بعد **تحصیل خواندگی** "اخلاقیات یعنی قومی اخلاقیات"، کا عنوان نظر آتا ہے، تجارتی تعلیم مین بھی ہم ادنی اور اعلی دونون خواندگیون اخلاقیات کو پہلے درجہ پر پاتے ہین، ادنی خواندگی مین اخلاقیات کے ماتحت "قومی اخلاق کا خاکہ"، اور اعلی خواندگی مین اخلاقیات کا مفہوم "ایک شہری کے فرائض"، پاتے ہین، کاریگرون کے تعلیمی نصاب مین بھی یہ چیز نظر انداز نہین کی گئی ہے، چنانچہ اس کی ابتدائی خواندگی مین روزمرہ کا اخلاق اور وسطانی مین "ایک قوم کے فرائض"، کی تعلیم ملتی ہے، ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی تعلیم کا بنیادی پتھر اخلاقیات ہون، اس کا قومی کیرکٹر کتنا بلند، پکا اور مضبوط ہوگا،

ہمارے ہان تعلیم کے کسی شعبہ مین داخل ہونے کیلئے جو قید سب سے زیادہ سنگین لگائی جاتی ہے، وہ فیس کی کمی زیادتی ہے، جو لڑکا خواہ وہ کتنا ہی بدتر یا بہتر ہو، مختلف کالجون کی گران قدر فیس ادا کر سکے وہ ان کے لئے ہر طرح موزون ہے، لیکن جاپانی مدارس مین طلبہ کی انتخابی قید کے لئے، جو چیز ہم کو ہر جگہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ، "طالب علم کی تندرستی اور چال چلن اچھا ہو، اور ارادہ کا پکا ہو"،

رقبہ مین جاپانِ خاص تقریباً (۱۴۲۳۰۰) مربع میل ہے، اور اخیر مردم شماری مین جو ۱ جولائی ۱۹۲۰ء کو ہوئی، اس کی آبادی (۵۵۹۶۱۱۴۰) تھی، اور سلطنت جاپان کی کل آبادی جس مین کوریا، فارموزہ جزائر سگالین وغیرہ شامل ہین (۷۷۰۰۵۵۱۰) تھی، مصنف نے بتایا ہے کہ یہ رقبہ مملکت نظام کے رقبہ سے دو چند سے کچھ کم ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے جاپان چہار چند سے زیادہ ہے، اور اگر آمدنی اور تعلیم کا حساب لگایا جائے، تو خدا جانے یہ فرق اور کس قدر زیادہ نمایان ہو، لیکن یہ امر مملکتِ نظام کیلئے اس حالت مین کبھی شرم کا باعث نہین، جب ۳۱ کرور آبادی والا ہندوستان بھی جاپان کی اس آبادی کے مقابلہ مین تعلیم و آمدنی کے لحاظ سے صفر محض ہو،

کہ ”جاپان کا مذہب“ کے عنوان سے اِس کتاب مین ایک دلچسپ بات ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے
جاپان کا قدیم مذہب شنٹو مذہب جو خاص جاپان ہی کی پیداوار ہے، اس کے اصول یہ ہین کہ جاپان دیوتاؤن کا
جنکو وہ کامی کہتے ہین ملک ہے شہنشاہ جاپان، کامی کا خاص فرزند ہے، دیگر شرفا اور عام افراد بھی درجہ بدرجہ کامی
کی اولاد ہین، مُردون کو اپنے سے خوش رکھنا چاہئے، اور مختلف رسوم کے ذریعہ سے ان کو خوش رکھنے کی تدبیرین
کی جاتی ہین،

صفائی اور پاکیزگی اِس مذہب کی بڑی تعلیم ہے، اسی لئے آج بھی اِس چیز مین جاپانیون کا کوئی حریف
نہین ہوسکتا، ابتدائی عہد عیسوی مین چین کے تمدن کے ساتھ ساتھ چین کا مذہب کنفیوشس یہان پھیلنے
لگا، قرون وسطی مین بودھ مت نے وہان فروغ حاصل کیا، سترہوین صدی مین طباعت کے رواج کے
بعد کنفیوشس لٹریچر کی ترقی نے اِس مذہب کو از سرِ نو زندہ کردیا، اِس مذہب کے اصل الاُصول صرف دو ہین
”اخلاق اور نظم حکومت“، ان دونون کے ایسے تفصیلی امور پر یہ مذہب مبنی ہے، جو روزمرہ پیش آتے ہین، اور
والدین اور سیاسی حاکمون کی بلا عذر اطاعت ان کا بنیادی پتھر ہین،

چھٹی صدی عیسوی کے وسط مین بودھ مت جاپان پہونچا، بدھ مت کے پروہتون نے یہ کیا کہ شنٹو دھرم
کے دیوتاؤن کو قدیم بودھون کا اوتار ظاہر کرکے اپنے معبدون مین انکو جگہ دی، اِس تدبیر سے بودھ مذہب
نے وہان بڑی ترقی کرلی، اس مذہب کی تعلیم یہ تھی کہ علم یا قلب کی روشنی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے، اور
خودی کو کمال تک پہونچانا ذریعۂ نجات ہے، بقاے حیات کا حصول، یا دیوتاؤن کے سامنے ان کی
ستائش اور منت گزاری مین عمر بسر کرنا آخری مقصد نہین ہے، بلکہ قطعاً نروان (نیستی) مین فنا ہوجانا،
روح کی آخری منزل ہے، بودھ مت کی تعلیم نے جاپانیون کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے، اور اب تک ان
مین اکثر اسی دھرم پر قائم ہین، سولھوین صدی کے وسط مین عیسائی مذہب جاپان مین داخل ہوا،
اور اس کے اخلاقیات نے ایک حد تک قبولیت حاصل کی، اِس وقت جاپان کا عمومی مذہب انھین مذہبون

کی ایک مخلوط شکل ہے یعنی مذہبی رسوم شنٹو مت کے ہین، عقائد بودھ کے ہین اور اخلاقیات کنفیوشس اور
مسیحیت کے ہین، خدا کا تخیل ان مین نہین، لیکن دیوتاؤن کا وجود اب تک جدید تعلیم کے باوجود اس سرزمین
مین باقی ہے، اسی بنا پر جاپانی نصاب تعلیم مین مذہبی تعلیم جن معنون مین ہم سمجھتے ہین، موجود نہین، لیکن اخلاقیات
کی تعلیم پر پورا زور ہے،

جاپانی نظم تعلیم مین ایک اور بات نمایان ہے کہ اہل جاپان اپنی تعلیم کا زیادہ بار حکومت پر نہین
ڈالتے، بلکہ خود اُٹھاتے ہین، چنانچہ جاپان مین کنڈرگارٹن مدارس کی تعداد (۶۱۲) ہے، ان مین سے صرف
دو سرکاری ہین، باقی (۲۵۲) پبلک (عوام) کے ہین، اور (۳۵۸) نجی ہین، ابتدائی مدارس وہان
(۲۵۶۲۵) ہین جنمین چار سرکاری، (۲۵۴۵۷) پبلک ہین، اور (۱۶۴) ذاتی ہین،

تعلیم اِس ملک مین جبری اور لازمی ہے، اس لئے جاپان کا ہر ایک شہر، قصبہ اور گاؤن مجبور ہے
کہ اس کے علاقہ مین جس قدر بچے مدرسہ جانے کی عمر رکھتے ہون ان سب کی تعلیم کے لئے اِس قدر معمولی
ابتدائی مدارس قایم اور جاری کرین جو ان سب کے لئے کافی ہون، اِن مدرسون کی تعداد اور ان کے
قایم کرنے کے موقعے حکام، مقامی افسرون کے مشورہ سے مقرر کرتے ہین، ان مدرسون مین تعلیم کا وقت عموماً
۸ بجے صبح سے سہ پہر تک ہوتا ہے، ایسے موسمون مین جب کاشت کارون کو بہت کام ہوتا ہے، تمام دیہاتی
مدارس ایک دو ہفتہ کیلئے، بند کردیئے جاتے ہین،

معمولی ابتدائی مدارس مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، ”اخلاقیات، جاپانی زبان، حساب،
تاریخ جاپان، جغرافیۂ جاپان، مبادیِ سائنس، نقشہ کشی، گانا، جسمانی ورزشین، سینا، کوئی دستکاری
یا کوئی اور کام،

وسطانی مدارس (مڈل اسکولس) کی تعداد (۳۳۴) ہے، ان مین دو سرکاری (۲۴۵) پبلک اور
(۸۱) ذاتی ہین، ان مین حسب ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہین، ”اخلاقیات، جاپانی اور چینی ادبیات،

کوئی غیر زبان جو بالعموم انگریزی ہے، تاریخ جاپان اور جغرافیہ عالم، ریاضی، طبیعیات، قدرتی اشیا کی تصویر کشی، گانا، جسمانی ورزشین، چھٹی اور پانچوین جماعتون مین موسیقی کیجگہ کیمیا اور زراعت یا تجارتی کفایت شعاری کی تعلیم دیجاتی ہے،

تمام موجودہ مدارس اعلی کی تعداد (۸) ہے، اِن کی دو شاخین ہین، ادبیات اور سائنس کی شاخ ادبی شعبہ مین ذیل کے مضامین پڑھائے جاتے ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان و جاپانی و چینی ادبیات انگریزی، جرمن اور فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، تاریخ و جغرافیہ جاپان، تاریخ و جغرافیہ عالم، مبادیِ فلسفہ، نفسیات اور منطق، وضعِ قوانین اور سیاسی معاشیات، ریاضی، علم طبیعی، ورزشہائے جسمانی، سائنس کی شاخ مین یہ چیزین پڑھائی جاتی ہین، اخلاقیات، جاپانی زبان و جاپانی و چینی ادبیات، انگریزی، جرمن، فرانسیسی مین سے کم از کم ایک زبان، ریاضی، طبعیات، کیمیا، نباتات و حیوانات، معدنیات، طبقات الارض، نفسیات، وضع قوانین و معاشیات سیاسی، نقشہ کشی، ورزشہائے جسمانی،

جامعات یا یونیورسٹیان جاپان مین سرکاری پانچ ہین، اور یہ کل براہِ راست وزیر تعلیم کے تحت ہین، اور وہ شہنشاہی یونیورسٹیان کہلاتی ہین، پہلا ٹوکیو کا شہنشاہی جامعہ، دوسرا کیوٹو کا، تیسرا ٹوہوکو کا، چوتھا کیوشو کا، پانچوان ہوکیڈو کا، ان مین سے ہر جامعہ کی وسعت اور شعبون کی کثرت اس قدر ہے کہ یہ چند صفحے ان کے متحمل نہین ہو سکتے،

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ ہے، جامعہ کا لفظ یونیورسٹی کے لئے اردو مین چل گیا ہے مگر اِس لفظ کا مذکر یا مونث ہونا فیصل نہین ہوا ہے، اِس کتاب مین جامعہ کو مونث استعمال کیا گیا، اور شاید جامعہ ملیہ مین بھی اس کو مونث ہی بولتے سنا ہے، اور شاید اس لئے، کہ یہ یونیورسٹی کے ہم معنی ہے، جو اردو مین مونث ہے، مگر ظاہر ہے اردو کے قاعدہ سے یونیورسٹی کی تانیث کے لئے (ی) کا وجود سفارش کرتا ہے، جامعہ کے لئے یہ صورت نہین ہے، ہم جامعہ کی اصل مدرسہ جامعہ سمجھتے ہین، اس لئے مدرسہ کی طرح اس کو

مذکر بولتے ہین، اور دوسرون کو بولتے سننا چاہتے ہین، اور اگر جامعہ کی عربی تانیث کا خیال ہے تو مدرسہ کو بھی مونث بولئے، یہ ممکن ہے کہ آگے چل کر جامع مسجد کی طرح جامعہ بھی کثرت قبول اور اتفاق عام کی سند سے مونث ہو جائے، اسی طرح صفحہ ۴۴ مین شعبہ کی جمع "شوابع" نہ صرف ناگوار بلکہ غلط ہے، اگر ہوتا بھی تو "شواعب" ہوتا نہ کہ "شوابع" اگر عربی کا خیال ہے تو "شُعَب" کہئے، اور اردو مین "شعبے" جمع کیلئے خاصہ لفظ ہے، ایسے ہی "معلمات" کا املا "معلماۃ" بھی قابل گرفت ہے، اسی طرح "صوباتی" کے بجائے "صوبجاتی" یا "صوبہ جاتی" زیادہ عام فہم ہوتا،

ہم نے صنعت و حرفت، اور زنانہ مدارس کی تفصیل چھوڑ دی ہے، یہ ابواب خاص طور سے مطالعہ کے لایق ہین، تمام مضامین نصاب پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی تعلیم کا نصب العین یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کو عملی، محنتی، ارادہ کا پکا، اور مستقل بنانا چاہئے، اسی لئے ہم کو مضامینِ نصاب مین اس نظری بلکہ فرضی و وہمی علم کا پتہ بہت کم چلا جسکو فلسفہ کہتے ہین، ایک جگہ مبادیِ فلسفہ ہمکو لکھا نظر آیا ہے، ورنہ ہر جگہ سائنس اور صنعت اور جاپانیت، اور اخلاقیت ہی کی مختلف ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ شکلین ملتی ہین،

مصنف نے آخر مین نتیجہ کے طور پر مملکت نظام کی ترقی و کامیابی کیلئے کچھ تجویز بھی بطور سفارش کے پیش کی ہین،

اوّل، یہ ہے کہ کل مملکتِ نظام کو جس مین مختلف قومین رہتی ہین، متعدد زبانین بولی جاتی ہین اس مین باہمی ایک واحد حیثیت اِن متحدہ اصولون پر پیدا کی جائے،

الف حضور بندگانِ عالی سلطانِ دکن کے ساتھ دلی خیرخواہی،

ب، حبِّ وطن،

ج، سرکاری زبان (ہندوستانی یا اردو) کا علم،

ان مین ہر دفعہ کی صحت اور ضروری ہونے پر لائق مصنف نے پرزور دلائل دئے ہین،

دوم، ابتدائی تعلیم کے متعلق مصنف کی یہ رائے ہے کہ چونکہ زیادہ تر رعایا کاشتکار ہے، اس لئے دیہاتون کی ابتدائی مدارس مین زراعتی تعلیم کو بنیاد بنانا چاہئے، اور شہرون کے ابتدائی مدرسون مین صنعت وحرفت کو رواج دینا چاہئے،

سوم، مدارس کے مہتممون کو ایسے ذرائع مہیا کئے جائین کہ وہ سال مین ایک دفعہ ایک ہفتہ کے لئے اپنے دائرہ کے معلمین کو جمع کرکے، انکی سال بھر کی مدت مین جو عام نقائص ان کے پڑھانے مین نظر آئے ہین ان کی تصریح کی جائے،

چہارم، یہ بندوبست کیا جائے کہ محکمۂ تعلیم کے بہترین لیاقت رکھنے والے عہدہ دارون کو ترقی یافتہ ممالک غیر مین اس غرض سے بھیجا جائے کہ یہ لوگ وہان کے طرقِ تعلیم اور تعلیمی انتظامات کا بغور مطالعہ کرین،

پنجم، سلطنت نظام مین صنعت وحرفت کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ سائنس کی تعلیم کی طرف حتی الامکان توجہ کی جائے، اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے کے دو وظیفے اس غرض سے جاری کئے جائین کہ سائنس کی اعلی تعلیم کا جہان انتظام ہو جیسے انسٹیٹیوٹ آف سائنس بنگلور وغیرہ وہان جاکر تعلیم حاصل کرین،

ششم، ہر صوبہ کے مرکز مین مقامی صنعت وحرفت کی سالانہ نمایشون کا انتظام ہو اور دستکاری گرون کی انعامات سے حوصلہ افزائی کی جائے، اور غیر ممالک مین ان مصنوعات کی ترویج کے لئے ایک ایجنسی قائم کی جائے،

ہفتم، بلدۂ حیدرآباد مین جلد ایک مدرسہ تجارتی کاروبار کا قائم کیا جائے،

ہشتم، عام جہالت کو آسانی اور جلدی سے دور کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ "بصری تعلیم" "آنکھ سے

تصویرون کے ذریعہ سے دیکھکر تعلیم کا طریقہ" جاری کیا جائے، جس مین سینما کے ذریعہ سے سفر اور دورہ کرکے جابجا لوگون کو ضروری علم سکھایا جائے،

اس مین شک نہین کہ جاپان کے طرقِ تعلیم کو پیش نظر رکھکر یہ کامیاب اور دانشمندانہ تجویزین ہین، اور یہ نہ صرف حیدرآباد کے لئے بلکہ دیگر ریاستون کے لئے بلکہ خود ہندوستان کی دیگر قومی تعلیمگاہون کے لئے مفید ہین، ہم نے سنا ہے کہ اس مفید کتاب کے ہندوستان کی دوسری زبانون مین مثلاً بنگالی گجراتی، زبانون مین بھی ترجمے ہو رہے ہین، کہین ایسا نہ ہو کہ ان زبانون کے بولنے والے تو اس کتاب سے پورا فائدہ اٹھائین، اور ہندوستان کی وسیع زبان (اردو) کے جاننے والے خبر بھی نہ ہون،

کتاب انجمن ترقی اردو کے سلسلہ کے پنتیسوین نمبر مین شائع ہوئی ہے اور مطبع مسلم یونیورسٹی مین چھپی ہے، قیمت درج نہین انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ملے گی،

مقالۂ روسو

فرانس کا مشہور علمی وسیاسی انقلاب جن ارباب دماغ کا نتیجہ ہے ان مین روسو کو خاص اہمیت حاصل ہے، دنیا کی اکثر مہذب زبانون مین اسکی تصنیفات کے ترجمے ہو گئے ہین، صاحبزادہ ظفر حسین خان سب ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات پیلی بھیت نے اس کے ایک اہم رسالہ کا ترجمہ کیا اور دار المصنفین نے شائع کیا ہے، اس رسالہ مین روسو نے علوم کی قدر وقیمت پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے، اس لائق ہے کہ اردو دان اصحاب اس کا مطالعہ کرین، قیمت ۸ر

منیجر

مطبوعات جدیدہ

چہار مقالہ چھٹی صدی ہجری کے مشہور شاعر انشاپرداز اور عمر و خیام کے شاگرد، اور شاہانِ غور کے مداح نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب مجمع النوادر جو چہار مقالہ کے نام سے مشہور ہے، فارسی سلسلۂ ادبیات کی ایک نہایت ممتاز کڑی ہے، یہ کتاب اصل مین عربی علوم کی تقسیم کے لحاظ سے فن محاضرات مین داخل کرنے کے لائق ہے مصنف نے چار مقالون مین چار اصناف علم یا چار اصناف علمار کے متعلق مفید و ضروری ہدایات و معلومات جمع کئے ہین، مقالۂ اول در ماہیت علم دبیری و کیفیت دبیر بلیغ کامل، مقالۂ دوم علم شعر و صلاحیت شاعر، مقالۂ سوم در ماہیت علم نجوم و غزارت منجم در آن علم، مقالۂ چہارم در ماہیت علم طب و ہدایت طبیب و کیفیت او، یہ چارون علوم ایسے ہین جو قدیم سلاطین کے ہان درباری عالم بننے کے لئے، نہایت ضروری تھے، اس لئے درحقیقت اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ درباری اہل علم کے لئے کس قسم کے معلومات اور واقفیت کی ضرورت ہے، لیکن ان مین سے ہر مقالہ کی تحریر مین مصنف نے نہایت سادگی سے علمی مسائل، ادبی نقد، تاریخی واقعات، سوانح، مشاہدات سفر، ذاتی تجربہ، اس طرح ملا جلا کر لکھے ہین کہ کتاب بیحد دلچسپ ہو گئی ہے، یہ کتاب مدت ہوئی کہ بمبئی مین چھپی تھی مگر نہایت مسخ صورت مین، اس کے بعد چند سال ہوے کہ لندن کے گب میموریل سیریز مین علامۂ قزوینی کی تصحیح و تحشیہ اور قلمی نسخون کے مقابلہ کے بعد لندن مین شائع ہوئی، اور اس وقت سے ہماری ہندوستانی یونیورسٹیون کی نظر اس کتاب پر پڑی اور بمبئی کو چھوڑ کر ادھر سب سے پہلے پنجاب یونیورسٹی نے اس کو ایم، اے اور منشی فاضل کے نصاب مین داخل کیا، اور یہی تقریب اس وقت اس کتاب کے اس اڈیشن کے وجود کا باعث ہوئی، زیر نظر طبع، لاہور مین شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور کے اہتمام اور مولوی وجاہت حسین صاحب

عندلیب شادانی رام پوری، بی، اے منشی فاضل کی تصحیح سے چھپا ہے، چھوٹی تقطیع کے سو صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے، شروع مین جناب مصحح نے ایک مقدمہ کا اضافہ کیا ہے، جسمین پہلے نفس کتاب چہار مقالہ پر ریویو کیا ہے اور اس کے محاسن و معائب بتائے ہین، پھر مصنف کتاب یعنی نظامی عروضی کے حالات خود اس کی اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہوتے ہین، اور دوسری کتابون سے جو کچھ معلوم ہوئے ہین، ان کو یکجا کیا ہے، اور نہایت ایمانداری کے ساتھ آخر مین لکھدیا ہے، کہ "یہ تمامتر علامۂ قزوینی کی تحقیقات ہین جنکو مین نے اپنی زبان مین ادا کر دیا ہے" کتاب کا یہ نسخہ بہرحال بمبئی کے نسخہ سے تو بہتر ہے، چونکہ مدرسی ضرورت سے یہ نسخہ چھاپا گیا اس لئے ارزانی کے خیال سے اس کی طبع مین بیحد کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے، چھوٹی تقطیع کے صفحہ پر ہر صفحہ مین ۱۲ باریک سطرین نہایت بار ہین، فہرست کا اضافہ بہت ضروری تھا جو نہین کیا گیا قیمت ۱۲ر پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور۔

برمی بول چال، برما ہندوستان ہی کا اب گویا ایک ٹکڑا ہے، وہان کی ایک خاص زبان ہے، کئی لاکھ مسلمانون وہان رہتے ہین، ہندوستانی تاجرون کی وہان آمد و رفت ہے، با این ہمہ ہمین نہین معلوم کہ کسی نے برمی زبان کے اصول و قواعد صرف و نحو پر کوئی کتاب اہل ہند کے لئے علمی طریق پر لکھی ہو، مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ مہاودیالے کالج احمد آباد گجرات جنکو ایک خاص تقریب سے اس سے پہلے کئی سال متواتر برما مین رہنے کا اتفاق ہوا ہے، اور غالباً برہما مین دعوت اسلام کے امکانات پر غور کرنے کیلئے، اور وہان کے مسلمانون کے تعلیمی نصاب کے بنانے کی غرض سے انھون نے برمی زبان کو محنت سے سیکھا، اور اب انھون نے اردو مین اس زبان کی صرف و نحو پر یہ مفید کتاب لکھکر پبلک مین پیش کی ہے، اس ضروری کوشش کی اس نئی مثال پر ہم مؤلف کو جس قدر مبارکباد دین وہ کم ہے خصوصاً جبکہ یہ مثال علمار کی جماعت کی طرف سے پیش ہوئی ہے جنھون نے اس قسم کے کامون مین اپنے دورِ انحطاط مین

کبھی دلچسپی نہین لی، اس بناپر ایک **ندوی عالم** کی اس ہمت کی جو اسلاف کرام کی محنتون کو یاد دلاتی ہو قوم و ملک کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، طرزِ بیان صاف، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۴ر، مصنف سے ملیگی،

الحق الصریح مع جماعۃ التہجد والتراویح، یہ مختصر رسالہ پانچ فقہی سوالون کا جواب ہے جنکا ماحصل منشا یہ ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام مین بھی رات کی نماز نفل یا تہجد کو جماعت کیساتھ ادا کر سکتے ہین ؟ یا نہین، ہمارے قدیم دوست مولٰنا مفتی ابو الطاہر ظہور احمد صاحب حال مدرس مدرسہ فرقانیہ لکھنو نے شرح وبسط کے ساتھ تمام معتبر کتب حدیث وفقہ کے حوالون سے انکا جواب دیا ہے، اور اس کا جواز ثابت کیا ہے، ایک خالص فقہی مسئلہ کی تحریر وتوضیح مین جس مین قدم قدم پر فقہ کی عربی عبارتین ہین، مولف نے زبان کی سلاست اور روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیا ہے، مقدمات کی ترتیب اور استنباط اور نتیجون کے نکالنے مین اچھا سلیقۂ تحریر دکھایا ہے، کتابون اور حوالون کے پیش کرنے مین دور تک نظر ڈالی ہے، ہم اپنے دوست کو یقین دلاتے ہین کہ اگر دار العلوم ندوہ کی متوسطات کی تعلیم انکی رہبر نہ ہوتی، تو کم از کم اس سلیقۂ تحریر کے بجائے، مولویانہ طرزِ بیان کی ژولیدگی ان کے حصہ مین ہوتی، جہان تک مسئلہ کا تعلق ہے، انکی تحقیق نے ہر شق کو آئینہ کر دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل مین انکے حنفیانہ غلو کا ہم بآسانی ساتھ نہ دے سکین، قیمت ۳ر، رسالہ مصنف سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے پتہ سے ملے گا،

نور البصر فی الکبریت الاحمر، کبریت احمر کسی درود کا نام ہے جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف منسوب ہے، اس کی یہ اردو مین شرح علامہ ابو البرکات محمد عبد المالک صاحب سابق مشیر مال بھاولپور نے تصنیف فرمائی ہے، ہمارے شیرمال صاحب کو یہ گنج بے بہا کشمیر کی ایک خانقاہ سے ہاتھ لگا ہے اور جسکو انھون نے اپنی نیک نیتی کی بنا پر وقف عام کیا ہے، اس درود کی زبان اور ترکیب وبیان کی بنا پر ہم ہرگز تیار نہین کہ اس کو شیخ کی طرف منسوب کرین، شرح کے اثنا مین قصیدہ غوثیہ کے اشعار بھی لائے گئے ہین جو عوام مین شیخ کیطرف منسوب ہین، حالانکہ وہ تمام تر جعلی ہے، قیمت ۲ر دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین پنجاب،

عدد دوم	ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۵ء	مجلد شانزدہم

مضامین

سیر الانصار

حصہ اول

سیر الصحابہ کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح وحالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحہ، قیمت ۳ر "منیجر"